



حزب الانصار

(دین کے مددگاروں کا گروہ)

پنجاب کے سب سے بڑا اسلامی تبلیغی ادارہ جو ۱۹۳۹ء سے اسلامی خدمت میں سرگرم ہے جامع مسجد بہیرہ کی عظیم الشان عمارت کی مرمت دارالعلوم عزیزہ بہیرہ کا اجراء اور اس کے ماتحت کئی جگہ مدارس عربیہ کا قیام دارالمبطلین سالانہ تبلیغی کانفرنس غرض ہر طریقہ سے مسلمانوں کی تعلیمی - اقتصادی اور مجلسی اصلاح اور تنظیم کے لئے مسلسل مساعی جاری ہیں جماعت کا ترجمان جریدہ شمس الاسلام ہر ماہ بہیرہ سے شائع ہوتا ہے - حزب الانصار کے قائم کردہ دینی اداروں کی امداد اور جریدہ شمس الاسلام کی توسیع اشاعت میں حصہ لیکر اور جماعت کے معاون بنکر ثواب دارین حاصل فرمائیں -

افتخار احمد بکوی کان اللہ لہ

اسیر حزب الانصار بہیرہ پنجاب

پیامِ گائے حضرت نوح علیہ السلام صلی اللہ علیہ وسلم

تحت الہامہ

مولانا الحاج افتخار احمد بکوی میر خرب الانصار بہیرہ

مدیر مسئول
غلام حسین

مدرسہ سالانہ
عوام - ۱
معاذین - ۲
طلبہ - ۳

ہر انگریزی ماہ کی گیارہ تاریخ کو
پابندی وقت شائع ہوتا ہے

شمس السلام

مہنگہ

(بھیرہ)

جلد ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۵۳ء شمار ۱

صفحہ فہرست

۳۰ بزم انصار

۴۰ حقائق (نظم)

۶۰ شذرات

۱۱ منکران ختم نبوت اسلام کی نظر میں

۱۲ پاکستان میں ناپاکی کے اڈے

۱۸ مرد مسلمان

۲۲ تاریخ مذمت شیعو

۲۶ تعمیر ملت اور تنظیم امت

ترسیل فریخت و کتابت کا پتہ :
بھیرہ شمس السلام پوسٹ آفس شمس السلام بھیرہ (پاکستان)

☆
ہندوستان کے اپنا چندہ حاجی فضل الہی عبدالجبار
کمیشن ایجنٹس آف اسلام آباد مسجد شریعہ ممبئی (ہندوستان)
کو بذریعہ منی آرڈر روانہ کریں۔

☆ ☆ ☆
برٹش ایسٹ افریقہ میں رسالہ شمس السلام کے کاتبہ :
محترم ایم محمد یحییٰ مسابہ پوسٹ بکس ۵
جنجا یوگنڈا (افریقہ)

بدل شراک

نمونہ کے لئے ۴۴ کے ٹکٹ ارسال کریں
سالانہ عوام سے
معاونین سے
طلبہ سے
فی پرچہ

بَزْمُ انْصَارِ!

مجلس مرکز خیر الانصار بھیرہ کا

۲۳ عظیم الشان سیکسواں سالانہ جلسہ

مؤرخہ ۶، ۷، ۸ مارچ ۱۹۵۳ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار

مطابق ۱۹، ۲۰، ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۷۳ء بموافق ۲۳، ۲۴، ۲۵ بھاگن ہمت
بمقام جامع مسجد بھیرہ منعقد ہوگا جس میں پاکستان کے نامور علماء و کرام
و مشائخ عظام شامل ہوں گے۔ بڑے اشتہار میں مفصل بیان کیا جائے گا۔
شائقین ان تاریخوں پر شامل اجلاس ہو کر ثواب دارین حاصل کریں۔
اور بڑا اشتہار و فخر لکھ کر مندرجہ ذیل پتے
سے حاصل فرمائیں۔

افتخار احمد گوی، کانٹنہ امیر مجلس مرکز خیر الانصار بھیرہ پاکستان،

عبدالکریم خمر

حقائق

گزشتہ سال انجمن حمایت اسلام لاہور کا سالانہ اجلاس زیر صدارت جناب ممتاز دوتانہ وزیر اعظم پنجاب منعقد ہوا تھا۔ یہ نظم اس اجتماع میں خود شاعر کی زبانی سنائی گئی۔ جسے ہم ہفت روزہ حمایت اسلام کے شکریہ

(ادارہ)

کے ساتھ پیش کر رہے ہیں،
علم اس ذات یکتا کے سوا کوئی نہیں
صبح پاکستان پیام غیریت لائی تو ہے
نقشہ عالم پہ لیکن خود جب کرتا ہوں میں
ارض پاکستان کا آغاز کتنا ہے کچھ اور
میرے دل کی دھڑکنوں میں سن دو آواز قوم
منتظر تھی انجمن اس ربط باہم کے لئے
شر کے نائے میں لیکن رنگ بھرنا ہے مجھے
لے وزیر عظم پنجاب لے عالی وقار
زندگی یہ واسطے فتح میں ہے انقلاب
یہ نظام کتنا اب بھی قابل ترمیم ہے
آہ یہ جمہوریہ صبح وطن کی آبرو -
یہ زہوں حالی بیاں اپنی جو کر سکتے نہیں
انکی نادری ہے آب رنگ زرداروں میں
ہیں عوام الناس بیکار ہی کے صندوق مصالح
لک ہر آزاد میکن یہ ہیں پابند غراج
ان کو نادمی ہی ہے اور وہ بھی نام کی
انکی نظروں نمایاں احترام دین ہر
آج بھی الجھا ہوا ہے مسئلہ کشمیر کا
آج بھی تو آدمی کا آدمی محکوم ہے
چند لوگوں کو میسر مال دزر جاہ و جلال
رشتہ نکی گرم بازاری ہے ٹھیکوں کا ہجوم

صاحب عظمت وہی ہے دوسرا کوئی نہیں
اس نواں دیدہ گلستاں میں بہاؤ آئی ہے
آینو لے وقت کے طوفان سے ڈرتا ہوں میں
دور ماضی کا مگر غمت از کتنا ہے کچھ اور
سوچ لے نباض ملت، دیکھ اور ممتاز قوم
دل بچھ جاتے ہیں تیرے غیر مقدم کیلئے
معذرت کرتے ہو کچھ عرض کرنا ہے مجھے
تیرے ہاتھوں میں طاقت کی زمام اقتدار
صرف آقاؤں کی تبدیلی نہیں ہے انقلاب
منصب و عہدہ میں قائم ناروا تقسیم ہے
ارض پاکستان میں جو شاد رنگ کا ہیں لو
بینا کیسا، مرنا بھی چاہیں تو مر سکتے نہیں
بھوکے انکی توانائی زمینداروں میں ہر
کا۔ نادریت میں ہیں یہ بطور پرغمال ؟
آدمی کے خون سے بھی کچھ گراں تر ہوا ج
آج تک بدلی نہیں تقدیر غاص و عام کی
آج تک ان پر مسلط کفر کا آئین ہے
بالیقین محتاج ہے یہ ناخن شمشیر کا
آج بھی دین محمد ہر جگہ مظلوم ہے
اور لاکھوں کیلئے ہے سانس بھی لینا محال
بند میں زندان میں اباب نظر اعلیٰ سلوم

کام ایسے وقت میں آتے نہیں فکر و قیاس
یہ مری تنقید تعمیر ہے تخریب نہیں
مختلف راہوں میں سیدھی راہ ہر اب کوئی
ذہر حاضریں فقط اسلام سے تیرا علاج
اور سب کچھ سے میاں اسلام ہی باقی نہیں
بے فواید فلسفوں کی پاسداری کے لئے

پھر ضرورت قائمِ اعظم کی پاکستان میں ہے
آج بھی ناستوری زیت کے پیمان میں ہے

مادان و نمود اسرار و خیران قوم سے
غارت شرم و عیا ہے جن اسلوب حیات
منفک ننگ کی کھلی توہین ہوان کا وجود
ذہر حاضریں نہ بچا پھر رہی ہے بے نقاب
لئے سراپا سادگی کے سپیکر صبر و رفا
مغربی تہذیب میں مرگ نہیں تیری خیمات
عزت کا شانہ ہے تو رونق محفل نہیں
تیری جمیقت کی خاطر اور ہے کچھ ہستیا
ننگ ہیں میرے لئے تہذیب کی رعنائیاں
تیری تربیت زندہ قوم کا ذوق شعور
نہدیت ہے لوٹ تیری زندگانی کی اساس
تیری خاطر ہے مگر موجود مابانی کلام !
تو ہوس کے ہاتھ کا رنگیں کھلونا تو نہیں
دست قدرت کا حسین اور آخری شمع گمان
مبتنی ہے حودت سپاہی خود مگر بنتی نہیں
ہاں مگر اغوش میں کر سکتی ہے پیدا حسین
کافی ہے تیرے لئے اک اوجہ بہت رسول
تیرے شایاں ہی نہیں ہے یہ ترا مردانہ پن

دہر ہر سب و ہنر فی کا زیب تن کر لیں لباس
ترجانی کر رہوں میں یہ احسن دل
لوگو حق سے مسافر تو نے سوچا ہے کبھی
انقلابِ وقت نے بدلانہیں اشک مزاج
فہر و ایوانِ تفتیش صد لبت تاج و تہنکس
ایسی صورت میں میل نہ گاری کے لئے

اب مجھے کچھ عرض بھی کرنا ہے جانِ قوم
اس نئی تہذیب میں ایسی بھی ہیں کچھ سنگیات
دشمن ہر و فاسے لٹکے ہرے کی نمود
اس طرف تھا حسن یوسف کیلئے لازم حجاب
دیکھ لے خاتون مشرق سن لے فخر ایشیا
دیکھ لہر شمس میں نہا جلتے کہیں پائے ثبات
ہے نظامِ زیت میں کردار تیرا دل نشیں
لے دقاہ زندگی "آوا" نہیں تیرا مقام
تیرے شایاں ہی نہیں یہ انجمن آرائیاں
تیرے مرہون نظر ہیں غمانہ داری کے امور
پاکبازی تیرا یور شرم ہے تیرا لباس
مذکور ناقص ہے تیرا تعلیمی نظام
تیری عظمت کی قسم کھاتے ہیں جبریل میں
تو بقاتے نسل انسانی کی ذمہ دار ہے
آفتابوں زیت کا بھگو اعدول دل نشیں
تو سپاہی بن نہیں سکتی کبھی اے نور عین
سمنے تیرے ہیں کچھ اسلام کے زوریں مدول
کیوں تیری نسوانیت میں آگیا بیگانہ پن

جذہ خیرت ترا بیدار ہونا چاہئے !!

(شکرِ جماعتِ اسلام)

تجھ کو اپنا قافلہ سالار ہونا چاہئے

شذرات

(اداسہ)

دستوری سفارشات

کو وزیر اعظم پاکستان نے دستور ساز اسمبلی میں دستوری سفارشات پیش کر دیں۔ جن کا خلاصہ بھی اخبارات میں دہ سکرڈن شائع ہوا اور بعد میں تفصیلی رپورٹ بھی قسط وار شائع ہوتی رہی۔ خواجہ مصطفیٰ سفارشات کو خالص اسلامی اور موجودہ جمہوریت کے دور میں اسلام کی تعبیر قرار دیا اور دعویٰ کیا کہ پانچ سال کے طویل عرصہ میں پورے غور و غوض کے بعد یہ سفارشات تیار کی گئی ہیں۔ تاکہ مطالبہ پاکستان کے اصل مقصد کو اس طرح پورا کر دیا جائے کہ طرح لیاقت علی خان مرحوم نے "قرارداد مقامہ" کو "دنیا کی اندھیری رات" میں صبح کا اجالا قرار دیا تھا۔ خواجہ صاحب بھی استعارہ کی زبان میں ان سفارشات کو "سورج کی پہلی کرن" سے تعبیر کیا ہے۔ ان سفارشات کے پیش ہونیکے بعد مسلمان کسانوں نے روس، آزاد اور مغربیت پسند لیڈر اور اخبار نویس کو بالکل گھبراہٹ اور صرختی سی آواز پر کہ کتاب سنت اور علماء کے مشاوری بورڈ کا نام تو ایسا ہوئے گھروں میں منہ قائم کچھ گئی۔ اور انہوں نے خبر کی سرخی یہی دی کہ "ثابثیت" کے سامنے ہتھیار ڈالے گئے۔ اور ملاؤ بھی حکومت قائم ہو گئی۔ اور اب تک اسی رنج و غم میں یادہ کوئی کر سکتے دوسرے طرف ۱۹۵۲ء اخبار نویس جو باب اقتدار کے ہاں میں ہاں ملنے کے عادی اور مرغان دم ت آموز ہیں۔ اور جوان آقا یان ولی نعمت کے نمک خوار اور خواہ نامش ہیں۔ اور جنکو کراچی بلا کر اسدن خاص طور سے اعزاز و اکرام سے نوازا گیا۔ اور انکو مخصوص لہجہ میں مخصوص قسم کی ہدایات دی گئیں۔ وہ سارا زور قلم اسی پر لگا رہی ہیں کہ کسی طرح یہ ثابت کر دیں کہ جو سفارشات پیش کی گئیں وہ بالکل خالص اسلامی اور پورے طور پر کتاب سنت کے ساتھ موافق ہیں۔ اور مسلمانوں کا مطالبہ پورے طور سے مانگا گیا ہے۔

لوگوں کو بالکل مطمئن ہو کر ارباب اقتدار پر اعتماد کرنا چاہئے۔ اور ساتھ ہی یہ دعا بھی کرتے ہیں۔ کہ جو لوگ اب بھی مطمئن نہیں اور ان میں کوئی غامضی اور نقص بتانا چاہیں اور مزید کوئی شورش دیں وہ اقتدار کے طالب ہیں، خود غرض ہیں انکی بات نہ سناؤ۔ حالانکہ ابھی تک علماء کوئی رائے ظاہر نہیں کی ہے۔ لیکن وہ پہلے ہی پیش بندی کرتے اور علماء کو کہتے اور برا بھلا لکھتے ہیں۔

سائے علاوہ بعض اہل اخبار میں جو اشتراکی نہیں اور بعض نیوی اسباب و وجوہات کی بنا پر جنکے ارباب اقتدار کے چہرے نہیں رہیں۔ اور انکو مزید مخالف کا ترجمان کہا جاتا ہے۔ انکار وہ اس بار میں دونوں قسم کے اخبارات سے جلا ہے۔ انہوں نے سفارشات کے اسلامی یا غیر اسلامی یا مخلوط ہونیکے بارے میں کوئی رائے ظاہر نہیں کی۔ اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ انکو اسلام یا غیر اسلام دونوں کوئی دلچسپی نہیں۔ اور انکی نگاہ میں دستور کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونیکے کوئی اہمیت نہیں۔ البتہ انکو دیوان یا ایک ایوان وفاقی حکومت یا وحدانی حکومت اور مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان نشستوں کی تقسیم وغیرہ مباحثات میں دلچسپی ہے۔ اور انہوں نے متواتر سب سے موضوع پر مقالات و مضامین اور خبروں اور بیانات کا سلسلہ شروع کر دکھا ہے۔ اور اس پر زیادہ غصہ ہے کہ مشرقی پاکستان کو مساوی نمائندگی کیوں دی گئی۔

دستوری سفارشات کی اشاعت کے بعد اخبارات کی حالت یہ ہے۔ ملک میں جو قومی رہنما اور لیڈر ہیں وہ بھی اس طرح تین طبقوں میں کسی کو یہ خطرہ کہ یہ تو اسلام آرہا ہے اور بیچارہ کو دل قویہ جارہی ہیں۔ اور کسی کو یہ فکر کہ خواہ یہ پورا اسلام ہی یا نہیں۔ لیکن قوم کو مطمئن کرتے جاؤ کہ اسلام آگیا۔ اب اور کیا چاہئے ہو۔ بس اطمینان کیساتھ خاموش

ہوئی۔ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی کہ خواہ مخواہ اپنی رائے کا فرد

اظہار کریں۔ **مرزا محمود کی کذب بیانی** | مرزا غلام احمد قادیانی کی

زندگی اخلاقی لحاظ سے کافی داغدار اور قابلِ اعتراض ہے۔ اور جہاں کہیں

اسکی شیرواخلاق پر کوئی وزن دار اعتراض ادا ہوتا ہے، مرزا محمود او

دوسرے مرزائی اس اعتراض کے ذریعہ کہ لئے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح و حالات میں کسی اقد

کو غلط رنگ میں پیش کرتے اور کذب بیانی سے کام لیکر کوشش کرتے

ہیں۔ اور خاک کو عالم پاک نسبت دینے کی مذموم و ملعون سعی کرتے ہیں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں خلیفہ بشیر الدین محمود کا ایک تازہ شاہکار

دیکھئے جس میں اسے مرزا صاحب کو بیانیکی خاطر حضرت عائشہ صدیقہ

کی توہین کی ہے۔ اور ایک اقد کو بالکل غلط رنگ دیکر پیش کیا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل ہے کہ خلیفہ محمود ۵ ستمبر ۱۳۵۷ء کو بدوہ میں

ایک خطبہ دیا ہے۔ جو ”راکتوبر کے الفضل“ میں شائع ہوا ہے۔ اس میں مرزا

محمود نے بیان کیا ہے:

کہ ایک اقد (مرزا غلام احمد قادیانی)، اپنی بیوی کو ساتھ لئے

ہوئے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر پھر رہے تھے۔ (مرزائی، مولوی

عبدالکریم کو یہ مرزا صاحب کا اپنی بیوی کو لیکر پلیٹ فارم پر ٹھہرتے پھرتے

ناگور گذرا۔ کہنے لگا کہ بڑا غضب ہو گیا ہے۔ کل کو ہشتاد و دو ٹریکٹ

نکل آئیں گے کہ مرزا صاحب پلیٹ فارم پر اپنی بیوی کو ساتھ لئے

پھر رہے تھے۔ انکو خود تو جرات نہ تھی کہ مرزا صاحب کو اسکے متعلق

کچھ کہہ سکیں۔ مولوی نور الدین (قادیانیوں کے خلیفہ اول) کے پاس

گئے۔ انکو کہا کہ مولوی صاحب! غضب ہو گیا۔ کل اخباروں میں

پڑھا بیگا۔ اشتہارات، ٹریکٹ نکل آئیں گے کہ مرزا صاحب اپنی بیوی کو

ساتھ لیکر پلیٹ فارم پر پھر رہے تھے۔ اگر ایسا ہو تو بڑی تڑابی ہوگی۔ آپ

خدا کی واسطے حضرت صاحب کو سمجھا دیں۔ مولوی نور الدین نے جواب

دیا کہ اس میں کوئی بات برائی ہے۔ اگر آپ کو یہ بات بری لگتی ہے تو خود جا کر

ہو جاؤ۔ اور کسی کو دل کے اندر خواہ اسلام سے خطرہ ہو یا اسلام کے

آئینی فحشی ہو۔ لیکن ظاہر میں دونوں طرف توجہ نہیں۔ بلکہ مساوی

نمائندگی اور وفاقی اور وحدانی کے جھگڑے کو نمایاں کئے ہوئے بیانی

دے رہے ہیں۔

سفارشات شائع ہونے اور اسپرانی سمجھ اور دینی بصیرت کے

مطابق غور کر نیکے بعد ہم بھی ایک نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ انہیں کس

عدت تک سلام ہے۔ اور کس حد تک نہیں۔ کس حد تک مطالبہ مانا گیا

ہے۔ اور خدا و رسول کے حق کو پورا کیا گیا ہے۔ اور کس حد تک مطالبہ

کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ اور خدائی رہ گئی ہے۔ لیکن خود سوچئے اور

فیصلہ کر نیکے بعد یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ معاملہ اہم ہے۔ فرائض اپنی

ذاتی رائے کو ظاہر کر دینا مناسب نہیں۔ اسلئے مفقعل تنقید و

تبصرہ سے قبل ان ذمہ دار جماعتوں اور علماء کرام کے فیصلہ کا

انتظار کرنا چاہئے۔ جنہوں نے اس مسئلہ پر برسوں غور کیا ہے۔ جنہوں نے

مل بیٹھ کر باہمی مشورہ ”بنیادی اصول“ طے کئے تھے۔ اور جنہوں نے

پھر اس مطالبہ کو پیش کر دیا۔ اور اس کیلئے بڑی جدوجہد کی۔ خود

ہمارے فیصلہ کے بعد اخبارات میں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا سید

ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا احتشام الحق تھانوی اور مولانا عبد

الحامد بدایونی کا ایک مشترکہ بیان آیا۔ کہ وہ ۳۳ علماء کرام جنہوں

نے کراچی میں متفقہ طور سے بنیادی اصول مرتب کئے تھے وہ پھر جمع

ہو کر ان سفارشات پر سوچیں گے۔ اور مشترکہ تنقید و تبصرہ کر نیکے

اس سے پہلے کوئی مذہبی ادارہ موافق و مخالف رائے کا اظہار نہ کرے۔

لہذا آج کی صحبت میں ہم ان سفارشات کے بار میں کوئی طویل اور

مفصل تبصرہ نہیں کر سکتے۔ آج ۲۸ دسمبر ہے۔ یہ رسالہ ۱۲/۱۳

جنوری ۱۳۵۷ء کو آپ کے ہاتھوں تک پہنچا۔ معلوم نہیں اس وقت

کیا حالاً پیش آئے ہو گئے۔ غالباً اس وقت تک علماء کا مشترکہ بیان

آجائیکا۔ اور اخبارات کے ذریعہ سے آپ کو بھی اسکا علم ہو جائیگا۔ اس

باب میں ہماری رائے یہ ہے، وہی ہوگی جو کتاب سنت کے ان ماہرین کی

مرزا صاحب کو کہئے۔ مولوی عبد الکریم مرزا صاحب کو سمجھانے خود گیا۔ واپس آیا تو گردن جھکا ٹی ہوئی تھی۔ مرزا صاحب جواب دیا کہ آؤ وہ کیا کہیں گے۔ یہی کہیں گے کہ مرزا صاحب اپنی بیوی کو ساتھ لئے ہوئے پھر رہے تھے۔ (الفصل ۸، راکٹو برٹشہ)

مرزا محمود اس واقعہ کو بیان کر کے کہا ہے کہ میں بیوی کا اکتھے پھرنا قابل اعتراض بھی تو نہیں۔ رسول کریم ﷺ بھی اپنی بیویوں کے ساتھ پھرتے تھے۔ ایک دفعہ شکر کے سامنے رسول کریم ﷺ اور حضرت عائشہ صدیقہ دہوی۔ رسول کریم ﷺ گئے۔ اور حضرت عائشہ حیات گئیں۔ دوسری دفعہ پھر دہوی تو رسول کریم حیات گئے اور حضرت عائشہ ہار گئیں الخ۔ (خطبہ ۳۳، ۵ ستمبر ۱۹۵۲ء، راکٹو برٹشہ)

حضرت عائشہ کے ساتھ مسابقت کا یہ واقعہ ضرور پیش آیا ہے۔ اور کتبہ حادثات میں مذکور ہے۔ لیکن یہ کہیں بھی ذکر نہیں۔ کہ لشکر کے سامنے ہی آپس میں دوڑ نیکارہ واقعہ ہوا ہے۔ بلکہ اکثر احادیث اندازہ ہوتا ہے۔ اور مسند احمد کی روایت میں تقریباً تصریح ہے کہ یہ مسابقت ایسی حالتیں ہوتی ہیں کہ صحابہ میں کوئی دوسرا موجود نہ تھا۔ بلکہ آپس میں حسن معاشرت کے اصول کی طرح طرح طبع کیلئے عیسائی مین کام کیا ہے۔ مرزا محمود مرزا قادیانی کو اعتراض سوچا کی خاطر یہ اضافہ اپنی طرف سے کر دیا کہ لشکر کے سامنے یہ مسابقت ہوئی۔ یہ مرزا محمود کی محض کذب بیانی ہے۔ اور اپنی ام المؤمنین کو ام المؤمنین حضرت عائشہ شہر نشینہ دیکر حضرت عائشہ کی شان اقدس میں گستاخی ہے۔ افسوس ہے کہ پاکستان میں ایسے گستاخانہ خطبات دئے جاتے ہیں، بفضل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اور اسلامی حکومت کو بار بار توجہ دلا جائیکے باوجود توجہ نہیں ہوتی۔ ۵۔ مثل هذا ایل وبل القلب من گد +

”تہذیب بھوا بازی“ قرآن مجید میں جس چیز کو غیر کے نام سے یاد کر کے اسے رجس من عمل الشیطان قرار دیا ہے۔ لاٹری اور معنوں کے ”انعام“ بھی

اس میں یقیناً داخل ہیں۔ بلکہ کینسر کی جو تشریح مفسرین عموماً کی ہے اور مستند توارخ میں زمانہ جاہلیت میں کینسر کی صورتیں جو منقول ہیں ان کی بنا پر تو کہا جاسکتا ہے کہ کینسر کا خورون ترجمہ لاٹری ہی ہو سکتا ہے۔ مگر آجکل دیکھا جاتا ہے کہ ہر طرف اس بھوئے بازی کیلئے باقاعدہ آؤ آر اور کمپنیاں بنی ہوئی ہیں۔ لاکھوں روپے جمع کئے جاتے ہیں۔ اور کھلم کھلا بواکھلا جا رہا ہے۔ اخباروں میں اسکے اشتہار نکلتے ہیں، پوشر شائع ہوتے ہیں۔ ٹریکٹوں اور پمفلٹوں کے ذریعہ اس کا دباؤ کی افادیت اور اہمیت واضح کی جاتی ہے۔ اور ہر طریقہ سے عام لوگوں کو اسکے لئے آمادہ کیا جاتا ہے۔ کہ وہ بھی اپنی قسمت آزمائیں۔ تھوڑی سی رقم دیکر سینکڑوں ہزاروں کمالیں۔ اور اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی کو خوش آئند بنالیں۔ کچھ ویسے بھی یورپ کی تعلیم و تربیت اور سیاسی اور معاشی غلبہ و ستمیلا کی وجہ سے ہر ملک میں زندگی کا نظریہ ادی ہو گیا ہے۔ اور ہر ملک لوگ شرف و ناس فرم میں ہوتے ہیں کہ جو بھی طریقہ معمول کا ہو لیکن کسی طرح روپیہ حاصل کیا جا سکے۔ اسلئے لوگ کافی مقدار کے حصول کے لالچ میں تھوڑی سی رقم اس دائرہ لگانے کیلئے بہ آسانی تیار ہو جاتے ہیں۔ اور قسمت آزمائی کیلئے یہ بواکھلنے لگ جاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں روز بروز لاٹری کے ان طریقوں کو مروجی حاصل ہو رہی ہے۔ اور یہ قہذب بھوا بازی جاری ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ ایک دوسرا فتنہ انعامی معنوں کا ہے کچھ چالاک قسم کے لوگ جوئے کا یہ کاروبار شروع کرتے ہیں۔ آسان اور عام فہم سے ”مقے“ رسائل و اخبارات میں شائع کرتے ہیں۔ آٹھ گنے یا ایک روپیہ اسکی فیس مقرر کرتے ہیں۔ اور صحیح حل والوں میں جس کسی کا نام اول نکل جائے تو اسکو اتنے سو یا اتنے ہزار روپیہ کا انعام دیا جائیگا۔ اس کا لالچ دیتے ہیں۔ ہر شخص آسانی اسکا حل نکال کر ایک روپیہ فیس کے ساتھ بھیجتا ہے۔ اور ہر ایک اس امید میں ہوتا ہے کہ ایک کے بدلے مجھے ہزار مل جائیں گے۔ اس طرح ہزاروں لالچی اور بغیر محنت و مشقت کے گھر بیٹھے بیٹھے کمائی کی آرزو دیکھنے والے

مفت خور ہزاروں روپیہ بھیجتے ہیں۔ اول نمبر کو انعام ملنے کی شرطیں کچھ ایسی پیچیدہ قسم کی رکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ کہ عموماً ”معتہ کمپنی“ کے شرکاء اور متعلقین کے سوا کسی اور کو یہ انعام نہیں ملتا۔ اس لئے وہ ساری کی ساری رقم خود ہی ہضم کر جاتے ہیں۔ اور اگر کبھی کسی نے نہایت دیانت داری اور ایمانداری سے کام لیکر انعام تقسیم بھی کیا۔ تو تب جب پہلے اپنی جمیہ بھرتے ہیں۔ اور ہزار لکھ کر کے کہیں سودہ سوکا انعام کسی شخص کے نام اعلان کر دیتے ہیں۔ تاکہ اس دیانتدار اور ایماندار ”معتہ کمپنی“ پر لوگوں کو اعتماد ہو۔ اور دوسرا اعلان پر اور زیادہ لوگ پر دانوں کی طرح گر پڑیں۔

آج کل اکثر و بیشتر رسائل میں بشمار ”معتہ“

مختلف طرز و انداز کے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اور عموماً ان جوان اور کالجوں، سکولوں کے طلبہ اس شکل میں بڑا اٹھتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ ایک مہذب ہوا ہے اس کو صحیح مفید بلکہ ضروری ثابت کرنے کیلئے یہ دیسل کافی ہے کہ یو۔ پی۔ ڈی۔ کی گیارہ ہے۔ اسلئے کوئی اسپر گیر نہیں کرتا۔ اور ایسوں کو کوئی جواری نہیں سمجھتا۔ ہم دیکھتے ہیں حالانکہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور ایک حرام کے اس بے ایمانہ از کتاب سے ہم کو کافی تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن جن کے ہاتھ میں ملک کا اقتدار ہے۔ اور جنکو اس بارے کا ذمہ وار بنایا گیا ہے کہ وہ لوگوں کے اعمال و اخلاق کی اصلاح کے نگران ہیں وہ نہ صرف یہ کہ اسطرح توجہ نہیں کرتے۔ بلکہ ان کا اصل ذہن یہ ہے کہ اسطرح کے مہذب کا سامنے اس ملک میں اور بھی اشاعت پذیر ہوں۔

عموماً اس قسم کے اداروں اور کاروباریوں کی حوصلہ افزائی کیجاتی ہے۔ اور جب وہ لوگ جو منکرات کو روک روک سکتے ہیں نہ روکتے ہوں تو اود کو ٹی کیا کر سکے گا۔ آج اس شذرہ کے لکھنے کی ایک خاص وجہ یہ پیش آئی۔ کہ ایک پرائیویٹ تعلیمی ادارے کی طرف سے محصوم بچوں کی تعلیم و تربیت کے خیال سے لکھنے والا ایک نامیوار رسالہ دیکھا۔ جسکو عموماً بچے ہی پڑھتے اور اس کے مطالب سے وہ ذہن کا سانچہ تیار کرتے ہیں۔ اس رسالہ میں اسطرح ایک آسان سامعہ دیا گیا تھا۔ ۲۰ ”معتہ“ کے لئے نہیں رکھی تھی۔ اور شرط یہ تھی کہ اس رسالہ ہی میں ”معتہ“ کا نقشہ کار مل کر پڑ کر دیا جائے۔ یعنی ۲۰ کا یہ رسالہ بھی غریب جلتے۔ اور صحیح حل والوں کے اسماء میں جس کا نام بطور لائبریری رکھا گیا اسکو دش روپیہ انعام ملے گا۔ اور صحیح حل وہ شمار ہوگا جو ڈیٹر کے اس حل کے مطابق ہوگا جو پہلے سے محفوظ رکھا گیا ہو۔ گویا ہر بچہ کو یہ لالچ دیا گیا ہے کہ ۲۰ فریج کرو۔ تو دش روپیہ مل جائیں گے۔ اور ہر شوق دلا یا گیا ہے کہ وہ ذہن کو تیر کر کے کیلئے معنوں کے حل کر نیکی یہ شقی ضرور کر لیا کریں۔ بچوں کے رسالہ میں یہ چیز دیکھ کر طبیعت کو بہت زیادہ کوفت ہوئی اور یہ خطرہ محسوس ہوا کہ اب یہ زہر ہلکے محصوم بچوں کے دماغوں تک بھی ان طریقوں سے پہونچایا جا رہا ہے۔ کہ بچپن ہی میں وہ بڑا کھیلنا سیکھیں۔ ۲۰ روپیہ لگا کر دش روپیہ حاصل کر نیکی امیدیں باندھے رکھیں۔ خود حرمت کے کمانے اور قوت بازو سے دش روپیہ حاصل کر نیکی سچا نمکونی طرح سے داؤ لگانے کی عادت پیدا کریں۔ یہ حالت دیکھ کر اندازہ ہوا کہ اب پانی سے سرگدما جا رہا ہے۔ اور شاید یہ فیصلہ کیا گیا ہو کہ ہماری زندگی کا کوئی شعبہ ایسا باقی نہ رہے جس میں اسلامی اخلاق و اعمال کے مضابط و قوانین کی پابندی ہے۔ بلکہ ہر جگہ

یورپ کے ملعون نظریہ کے مطابق محض دنیا کمٹنے اور جس طریقہ سے بھی ہو کچھ حاصل کر نیک کوشش کیجا۔ جائز و ناجائز کی کوئی تمیز نہ ہے اور شرعی حدود و قیود کا کوئی خیال نہ رکھا جائے۔ جب ابتداء سے بچوں کو یہی پڑھایا اور سکھایا جائے۔ تو کیا امید ہو سکتی ہو کہ وہ بڑے ہو کر ان برائیوں کو برائیاں سمجھیں گے اور ان سے بچنے کی کوئی کوشش کریں گے۔ ان حالات میں اب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ والدین اور بچوں کے سرپرست یہ نگرانی رکھیں کہ اس قسم کے رسائل بچے نہ دیکھا کریں۔ اور معنوں وغیرہ مہذب مشاغل سے انکو نفرت دلایا کریں۔

اخبار نویسی ایک ہماری صحافت کی حائل

دوسرے آزاد ممالک میں صحافت کو ایک خاص درجہ حاصل ہے۔ مگر ہمارے ملک میں عموماً اخبار نویسی آج تک جس کے بارے میں اور جن افلاک کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور جس طرح اپنے ایمان اور ضمیر کو بچ کر اس پیشہ کی توہین کی ہے اسکی بنا پر اب یہ پیشہ کوئی قابل عزت و احترام نہیں رہا ہے۔ ہر معاملہ میں اس طبقہ کے اکثر و بیشتر افراد نے سیرت کی خرابی اور اخلاقی جبر کے فقدان کے جو نمونے دکھائے ہیں۔ اس سے اعزاز ہوتا ہے کہ یہ لوگ کس طرح اپنے قلم کو اور دین و ایمان کو معمولی قیمت پر فروخت کرنے کیلئے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ان کے قلم سے جو نگارشات نکلتے ہیں بعض دفعہ تو یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں نہ خدا کا خوف ہے اور نہ کوئی شرم و حیا۔ اور اس کا تازہ مظاہرہ گذشتہ ایک ماہ میں ہوا۔ جبکہ ۲۲ نومبر سے ۲۳ دسمبر تک دستور سے سفارشات پیش کرنے کے التواء کا اعلان ہوا۔ ایک ماہ کا یہ عرصہ بعض اخباروں نے صرف اس جہاد کیلئے مختص کر دیا کہ اس ملک میں اسلام کا مطالبہ کر نیوالے دیندار مسلمانوں اور خصوصاً علماء کرام کو ہر طرح سے برا بھلا کہا جائے۔ ان کے خلاف جھوٹے الزام اور بہتان تراشے جائیں۔ انکو اقتدار

پسندی اور جاہ طلبی کے طعنے دئے جائیں۔ انکو انتشار پسند اور فساد انگیز قرار دیا جائے۔ ان کے شبہ و دستار، وضع و قطع اور طرز و انداز کا مذاق اڑایا جائے۔ اور استغناء سے کام لیا جائے۔ چنانچہ وہ وصیت کے ساتھ چند اخباروں نے چند سیکوں کے عوض اپنا ایمان بیچ کر مہینہ بھر تک اپنے آقا یاں ولی نعمت کو خوش کرنے کیلئے یہ مہذب سرانجام دی اور اپنی طرف سے یہ پوری پوری کوشش کی کہ عام باشندگان ملک کو اسلامی دستور کے مطالبہ سے ہٹا دیا جائے۔ اور غیر اسلامی دستور کیلئے زمین ہموار کر دی جائے۔ بد آفاق اور امروزہ نے خاص کر اس جہاد عظیم میں حصہ لیا۔ اور اپنے سفحات اس کام کے لئے خوب وقف کر دئے تھے۔ الحمد للہ کہ ان تمام باطل مساعی اور جہاد فی سبیل الطاغوت کا کوئی اثر مسلمانوں پر نہیں پڑا۔ اور جو طبقہ اسلامی دستور کا مطالبہ اپنا دین و ایمان سمجھ کر رہا تھا ٹھیک سی طرح اپنے مطالبہ پر ڈٹا ہوا ہے۔ نہ نقاب پوش صحافیوں کے طویل مضامین و مقالات کے انکو اپنے نصب العین ہٹایا۔ اور نہ آفاق و امروزہ کے اڈیٹروں کے مقالات و شذرات نے راہ حق کے راہروں کو گمراہ کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ ہاں یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ اسلام کے یہ نام لیوا متاع دنیا کی خاطر کس طرح اپنے دین و ایمان کو قربان کرتے ہیں۔ اور ان کے اخلاق و کردار کی کیا قدر و قیمت ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے ہاتھوں صحافت کا مغز پیشہ رسوا و بدنام ہو رہا ہے۔

اور اس کا اپنا کوئی ضمیر و ایمان نہیں ہوتا۔ بلکہ نیلامی کے مال کی طرح جو اسکی زیادہ قیمت دے اسکے ہاتھ بک جاتا ہے۔ آج اس ملک میں وہ سنجیدہ و با وقار صحافی گننام ہیں جو اپنے کمال کو اور اپنی رائے اور ضمیر کے فیصلوں کو کسی قیمت پر بھی بیچنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ اخباروں کے پڑھنے سے عام قوم کا ذہن بتتا اور اسکی سیاسی

منکران ختم نبوت اسلام کی نظر میں

(از قلم مولوی عبدالرحمن ضابطہ غازیخان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ و الصلوٰۃ علی من لانی
بعدہ۔ **مفسر ناظرین:** حضرت رسول اکرم صلعم
جو کامل شریعت دنیا میں لیکر آئے اس کا یہ نتیجہ ہے کہ نبوت
آپ پر ختم ہو چکی۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی قیامت تک
نہیں آ سکتا کیونکہ جمیوں کے ایسی غرض میں تھی کہ زمانہ
کی ضروریات کے مطابق کوئی ہدایت نامہ اللہ تعالیٰ کی طرف
سے دنیا میں لائیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے وہ ہدایت نامہ قرآن کریم کی شکل میں ہمیں پہنچایا جو
ہر زمانہ اور ہر ملک اور ہر قوم کی ضروریات دینی کو قیامت
تک پورا کرے گا۔ (ادب کوئی ایسی نئی ضروریات دنیا کو
پیش نہیں آ سکتیں جس کا حل اس پاک کتاب میں موجود
نہو۔ اور جس کے لئے کسی اور نبی کے آنے کی ضرورت ہو
اسی لئے قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عاتق
النبيين کہا گیا۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-
مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ
اللَّهِ وَكَانَتُمُ النَّبِيِّينَ۔ اس آیت کا ترجمہ خود مرزا صاحب
علیہ ما علیہ یوں کرتے ہیں کہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم
میرے کسی مرد کا باپ نہیں مگر وہ رسول اللہ ہے اور
ختم کر دیا انبیوں کا۔

یہ آیت صاف دلائل کر رہی ہے کہ پہلے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی رسول دنیا میں نہیں آئیگا۔
دائز لاوامام مکتبہ طبع اول،

احادیث نبوی میں ختم نبوت کو کس طرح مختلف

طریق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے :-
(۱) سیکرٹ فی امتی
کذا یون ثلاثون کلہم
یزعم انه نبی اللہ وانما خاتم
النبيين الانبیاء بعدی
(ترمذی)

میری امت میں تقریباً ۳۰
بھوتے نبی ہونگے جن میں
ہر شخص نبی اللہ ہونے کا دعویٰ
کرے گا۔ حالانکہ میں خاتم النبیین
ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(۲) عن سعد بن ابی قاص
قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اعلیٰ امت منی بمنزلہ
ہارون من موسیٰ الا انہ
لانبی بعدی متفق علیہ

(۳) عن عقبہ بن
عامر قال قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم لو کان بعدی
نبی اکابر عمر (ترمذی)

(۴) عن ابی ہریرۃ رضی
حدیث قال لنبی صلی اللہ
علیہ وسلم وجعلت لی الارض
زمین کو مسجد اور پاک کر دیا
مسجد اور طہور اور اس لئے
الی الخلق کافۃً وختم
بی النبیین (مشکوٰۃ)
(۵) قال رسول اللہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

صلی اللہ علیہ وسلم فانی آخر الانبیاء وان مسجدی آخر المساجد رہیج مسلم	سلم نے فرمایا کہ میں سب سے آخری نبی ہوں اور میری مسجد (نبیوں کی مساجد میں) آخری مسجد ہے۔	ومع هذا لا يطلق اسم النبوة ولا النبي الا على النسب وخصوصا فجز هذا الاسم لخصوص معين في النبوة - (الاقتصاد)	لیکن اس کے باوجود بھی نبوت کا لفظ اور اسم نبی بجز صاحب شرعیت نبی کے کسی اور پر نہیں بولا جاسکتا۔ کیونکہ نبوت میں وصف خاص (شرعی) ہو نیکی وجہ سے اس نام (نبی) کی بندش کر دی۔
۹) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انا خاتم الانبياء ومسجدى خاتم مساجد الانبياء	۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خاتم انبیاء ہوں اور میری مسجد نبیوں کی مسجدوں میں سے آخری ہے۔	۱۰) اخبرانه صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين ولا نبى بعدى واخبر عن الله تعالى انما خاتم النبيين واجمعت الامة على حمل هذا الكلام على ظاهره وان مفهومه المراد به بدو وتاويل ولا تخصيص فلا شك في كونه هولا الطوائف كلها قطعاً اجماعاً وسبباً -	اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم نبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دی ہے کہ آپ انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں۔ اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام بالکل اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے۔ اور جو اس کا
۱۰) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انا خاتم الانبياء ومسجدى خاتم مساجد الانبياء	۱۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی دوسری امت نہیں۔	۱۱) من اعتقد وحياً من بعد محمد صلى الله عليه وسلم كان كافراً باجماع المسلمين - (فتاویٰ بن جریر)	اس حدیث سے سابقہ حدیث کی تفسیر ہو کر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آخر المساجد سے انبیاء کی آخری مسجد مراد ہے۔ ۱۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی دوسری امت نہیں۔
۱۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعد ولا نبى بعد	۱۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رسالت اور نبوت مجموعہ پر ختم ہو گئی میرے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں۔	۱۲) من اعتقد وحياً من بعد محمد صلى الله عليه وسلم كان كافراً باجماع المسلمين - (فتاویٰ بن جریر)	۱۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رسالت اور نبوت مجموعہ پر ختم ہو گئی میرے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں۔
۱۲) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعد ولا نبى بعد	۱۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رسالت اور نبوت مجموعہ پر ختم ہو گئی میرے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں۔	۱۳) من اعتقد وحياً من بعد محمد صلى الله عليه وسلم كان كافراً باجماع المسلمين - (فتاویٰ بن جریر)	۱۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رسالت اور نبوت مجموعہ پر ختم ہو گئی میرے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں۔
۱۳) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعد ولا نبى بعد	۱۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رسالت اور نبوت مجموعہ پر ختم ہو گئی میرے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں۔	۱۴) من اعتقد وحياً من بعد محمد صلى الله عليه وسلم كان كافراً باجماع المسلمين - (فتاویٰ بن جریر)	۱۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رسالت اور نبوت مجموعہ پر ختم ہو گئی میرے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں۔

(۱۲) ودعوی النبوۃ لجد نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کفر بالاجماع وکفر بالاتفاق کفر ہے۔
(شرح فقہ اکبر ملا علی قاری رحمہ)

(۱۳) آپ باخبرمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخلق فرستاد و نبوت سے بدرجہ کمال رسانیدہ پیچ زیادہ را باں راہ نبود و بہ این سبب اورا خاتم الانبیاء کرد کہ بعد از وی پیچ پیغمبر نہ باشد۔

(کہیا سے حادثۃ الغزالی رحمہ)

ان مشتبہ نمونہ از خرافات سے حوالوں سے مشتبہ مذکور کی کافی وضاحت ہو جاتی ہے۔ وگرنہ میرے پاس ایک ہزار سے زائد حوالہ جات موجود ہیں۔ مگر میں پھر اس موضوع پر کسی دوسری صحبت میں عرض کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۛ

بقیہ ص ۱۰ - کوشش کی ہے وہ مستحق تبریک و تحسین ہے۔ لیکن پولیس کو صرف اسی پر اتنا نہ کرنا چاہیے کراچی، لاہل پور، راولپنڈی، پشاور اور بعض دوسرے شہروں میں بھی چھاپے مار کر ان خبیث الفطرت لوگوں کو گرفتار کرنا چاہیے۔ اور سینکڑوں ہزاروں مظلوم لڑکیوں کو سکھوں سے بدتر انسان نمادرندوں کے قبضہ سے نکالنا چاہیے۔ اگر پولیس کے تمام کارکن ان قانونی اختیارات سے بھی کام لیں جو موجودہ انگریزی قانون کی رو سے انہیں حاصل ہیں۔ اور جن کو وہ دوسرے موقعوں پر استعمال

کرتے بھی ہیں اور دل کی خواہش کے ساتھ پوری دیانت دانا نہ جدوجہد شروع کریں۔ اور منتظمہ اور عدلیہ دونوں اس جذبہ کے ساتھ اس معاملہ کی طرف توجہ دیں کہ یہ بداخلاقی پاکستان میں نشوونما نہ پائے تو اب بھی ان کے لئے ایسی راہیں ہیں کہ جن کی بنا پر وہ اس کاروبار کو اگر قانون کے زور سے بند نہیں کر سکتے تو ناکامیاب اور کافی حد تک کمزور کر سکتے ہیں۔ بلکہ اگر ان خبیث کاروباریوں کو سنزائیں دیدی گئیں اور عورتوں کے اوپر سے وہ ظالمانہ ہاتھ اٹھ گئے تو یہ بازار خود بہ خود سرد پڑ جائیں گے۔

ہم یقیناً یہ بھی جانتے ہیں کہ اتنا علاج صرف وقتی علاج ہے۔ جب تک اصل فاسد مادہ کی اصلاح نہ کی جائے۔ ان پھوڑوں کے لئے یہ بیرونی مرہم پٹی متقل علاج نہیں ہے۔ اصل علاج یہ ہے کہ ملک میں اسلامی دستور ہو اور اس کے مطابق اسلامی قانون۔ بدعاشی بے حیائی اور بدکرداری کے سارے مراکز اور سرچشمے قطعاً بند کر دیئے جائیں۔ اور جنسی بھوک پیدا کرنے والے تمام اسباب و ذرائع، قانون، صحیح تعلیم و تربیت، پاکیزہ ماحول اور نیک سیرت افسروں کے ذریعہ ختم کر دیئے جائیں۔ تو پھر یہ ”منڈیاں“ خود بخود متقل طور سے بند ہو جائیں گی۔ مگر اس وقت تک بھی تو بہر حال حکن حد تک بداخلاقی کو کم کرنے اور خرید نہ پھیل سکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس عبوری دور میں وقتی علاج کو بھی اختیار کئے رکھنا فی الجملہ مفید ہو سکتا ہے ۛ

پاکستان میں ناپاکی کے اڈے

(اداس)

کسی محققادی، اخلاقی یا عملی بیماری کی شکایت کیجاتی تھی۔ اور رہنما یان قوم کو توجہ دلاتی جاتی تھی کہ عدار کوئی ایسی تاہیر و علاج سوچ لو کہ ہماری قوم میں سے یہ بیماری دور ہو۔ تو ہر مرض کا علاج ہی بتایا جاتا تھا کہ ایک علیحدہ خطہ زمین ایسا حاصل کر لو جس میں بلا شرکت غیر سے ہم اسلامی قانون کو بغیر کسی رکاوٹ کے نافذ کر سکیں۔ تو پھر ان تمام بیماریوں کا علاج اسلام کے دستور و قانون سے ہو جائیگا۔ کہا جاتا تھا کہ علاج تو ہمارے پاس تیلہ موجود ہے نسخہ شفاء انطالی کی کتاب اور نبی رحمت کی سلت تو ہمارے ہاں محفوظ ہے۔ اس کو عمل کام میں لانے کے لئے سازگار ماحول کی ضرورت ہے۔ پاکستان بننے کی دیر ہے۔ وہ بن جائے تو پھر یہ تمام بدکرداریاں کافور ہو جائیں گی۔ الخرض انہی توقعات اور امیدوں کے ساتھ پاکستان کا مطالبہ ایک قومی متحدہ آواز کی صورت کر گیا۔ اور آخر کار ملک تقسیم ہوا۔ دنیا کے نقشہ میں پاکستان کے نام سے ایک نیا ملک وجود میں آیا۔ دنیا کے نقشہ میں ہر رنگ کے اس سرسبز خطہ زمین کو مسلمانوں نے لاکھوں معصوم بچوں، پاکدامن و فرشتہ خصلت خواتین اور نونین نوجوانوں کے سرخ سرخ خون سے سینچا۔ اور وہ قربانی دی جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا کی تاریخ عاجز و قاصر ہے۔ مگر نہایت افسوس کا مقام ہے کہ پاکستان بن جانے کے بعد اس ملک کے ارباب اختیار و اقتدار نے اس مقصد عظیم کو فراموش کر دیا۔ اور جس نسخہ شفاء کو استعمال کر کے

پاکستان میں ناپاکی کے اڈے قیام پاکستان سے قبل بھی موجودہ حدود پاکستان کے بڑے بڑے شہروں مثلاً کراچی، لاہور، لائل پور، راولپنڈی وغیرہ میں بدکاری کے اڈے اور زنان بازار ہی کے چپکے موجود تھے۔ اور ان کا وجود ان شہروں کی مسلم اکثریت کی شرافت و دیانت پر ایکہ بد نما داغ اور ان کی غیرت ایمانی کے لئے ایک کھلا چیلنج تھا۔ لیکن اس وقت یہ کہا جاتا تھا اور کہا جا سکتا تھا کہ مسلمان اس معاملہ میں کسی حد تک بے بس و مجبور ہیں۔ کیونکہ ملک میں انگریزوں کا راج ہے۔ اور انگریز کے کافرانہ نظام حکومت میں جب قانونی طور سے دنا کے کاروبار کو کھلی اجازت دی گئی ہے۔ تو محکوم و غلام مسلمان قانون کی بندشوں کو کس طرح توڑ کر ان چپکوں کو ویران اور ان ناپاکیوں سے مسلمان بستیوں کو پاک کر سکتے ہیں۔ چپکوں اور اس قسم کی دوسری تمام بد اخلاقیوں اور بدکرداریوں کے خلاف جب احتجاج کیا جاتا تھا۔ تو جواب ہی ملتا تھا کہ جب ہم انگریز سے آزاد ہو جائیں گے اور ہماری خلاصی کی یہ بو بھل و بھیریں کٹ جائیں گی تو پھر ان تمام خرابیوں کو اور انگریزی نظام کی ساری نشانیوں کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا جائیگا۔ اور پھر خاص طور سے جب پاکستان کا مطالبہ قوم کے سامنے آیا تو ہر لیڈر نے نہایت شد و تد کے ساتھ کہا کہ پاکستان کا تو مطلب ہی یہ ہے۔ کہ اس خطہ زمین کو تمام گندگیوں سے پاک کیا جائیگا اور وہ علاقہ پاکیزہ سیرت لوگوں کی ایک مثالی بستی ہوگی۔ ان دنوں جب بھی

بیماریوں کے دور کر دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کو تو طاقی
نسبیاں میں رکھ دیا۔ اور مزید ایسی کاروائیاں شروع کیں
کہ وہ بیماریاں اور بد اخلاقیات دن بہ دن بڑھتی چلی
گئیں۔ فحش نگاہوں اور گیتوں کا شور و غل ریلوے اسٹیشنوں
سے اور بھی زیادہ ہوا۔ رشوت خواری اور ناجائز سفارشات
کا اور بھی غلبہ ہوا۔ مرد و زن کا بے باکانہ اختلاط اور عورتوں
کی بے حجابی کا جذبہ اور بھی بے حجاب ہوا۔ خراب اخلاق
جنسی تصاویر اور اس قسم کے رسائل و اخبارات کی اشاعت
اور بڑھ گئی۔ سیناؤں میں فحش اور جذبات کو ابھانے
والے فلموں کا اور بھی چرچا ہونے لگا۔ فرض ہر جہیاتی
اور بد اخلاقی کو انگریزی دور سے بڑھ چڑھ کر فروغ حاصل
ہوا۔ اور جب نوجوانوں کے جنسی جذبات کی آگ کو اصطلاح
ماسوں پیدا کر کے بجھانے کی بجائے ان فواحش کا تیل
ڈال کر اور بھی تیز تر کر دیا گیا۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہی
تھا کہ بدکاری کے دھاڑے اور غضب الہی کے ملعون
مقامات یعنی چنگے بھی پہلے سے بڑھ کر آباد و بارونق ہو گئے
اور آبرو باختہ زنان باتاری کی تعداد غالص مسلمان بستیوں
میں دن بدن بڑھنے لگی۔ اور آج ہر شہر میں جس طرح کپڑے
غلہ کرنا اور دوسری ضروریات کی دکانیں اور بازار
موجود ہیں اور ان کا روبرو ہوا ہے۔ بالکل اسی طرح ان
بازاروں کے ساتھ ساتھ جہیاتی و بد معاشی کے یہ بازار
کھلے ہوئے ہیں۔ اور بغیر کسی شرم و حیا کے مسلمان
عورت کے جسم کی خرید و فروخت کا روبرو جاری ہے۔
صوفی و ملا بھی خاموش ہے، فقیہ و مفتی بھی دم بخود ہیں
اور میر و وزیر بھی ساکت و صامت ہے۔ دن رات بے
غیرتی کا یہ کاروبار کھلے بندوں ہو رہا ہے۔ اور کسی کی
غیرت و شرافت مجروح نہیں ہوتی۔ ملکی قانون کی

رو سے اس بدکاری و بے حیائی کو سند جواز حاصل
ہے۔ خدا و رسول کے نام پر حاصل کئے ہوئے ملک میں
اوڈ پاک لوگوں کے اس پاک آئینہ میں ناپاکی کے
ان آئینوں اور گندگی کے ان سند اسوں کا وجود
یقیناً اس بات کی دلیل ہے کہ جن کے ہاتھ میں اس بے
حیائی کو دور کرنے کا کسی درجہ میں بھی اختیار ہے۔ اور آج
وہ اس کے ازالہ کی کوشش نہیں کرتے۔

انگریزی قانون جو اب تک ہم پر مسلط ہے، کی رو
رہنمائی کے ساتھ زنا کوئی جرم نہیں۔ ہاں اگر بالجبر ہو تو
اسے قانون بھی جرم قرار دیتا ہے۔ اصولاً تو ہم جب انگریز
کے قانون کو اور اس قانون کی بنیاد ہی کو غلط اور کافرانہ
تصور کرتے ہیں تو ہمارا اصل مطالبہ یہ ہے کہ اس ملک
کا دستور قرآن و حدیث کے مطابق مرتب ہو۔ اور پھر اس
دستور کی بنیادوں پر اس مملکت کی ساری قانون سازی
کی جائے۔ اور اگر ہی اصل مطالبہ مان لیا گیا تو پھر خدا
رسول کے بتلائے ہوئے قوانین کے مطابق سرے سے
بدکاری کے اڈوں کے لئے کسی طرح گنجائش باقی نہ رہے گی۔
بلکہ جنسی جذبات ابھانے والی تمام فحش قسم کی چیزوں کا
جب وجود ختم کر دیا جائے اور سارا ماحول اچھے اخلاق و کردار
کا ہو جائے تو پھر اس پاکیزہ فضا میں ان گن گئیوں کو لوگ
خود بخود ایک سیکنڈ کے لئے برداشت نہ کریں گے۔ اور اگر قیام
پاکستان کے بعد برسر اقتدار حضرات اسلامی دستور مرتب
کر کے اس کے مطابق قانون سازی کا کام جاری رکھتے اور
اسلامی نظام کے تمام تقاضوں کو دیانت دارانہ طور سے
پورا کرتے تو یقیناً ان پانچ سال میں حالت بالکل بدلی ہوتی

ہوتی۔ اور زندگی کا جو نقشہ آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ یہ نقشہ بالکل نمونہ۔ لیکن اس اصل کام سے ہجرانہ غفلت اور ہر طرح سے پہلو تہی کے علاوہ جو بڑی خیانت اس ملک و قوم کے ساتھ کی گئی ہے وہ یہ ہو کہ نئے دستور و قانون کے مرتب ہونے تک اس عبوری دور میں انگریزی دور کے ان قوانین پر تو خوب خوب عمل کیا گیا۔ جن سے بد اخلاقی اور جیانی کو زیادہ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یا جن سے حکمران طبقہ کو زیادہ سے زیادہ ذاتی فائدہ پہنچ سکتا ہو۔ لیکن اگر ان قوانین میں کچھ پہلو ایسے بھی نکل سکتے ہوں جن سے کسی درجہ میں باطنی کم ہو سکتی ہو تو قوانین کو عملاً نافذ کرنے میں عموماً بے پرواچی برتی گئی۔ اس کی بدت سی مثالیں موجود ہیں۔ اور اگر خود کر رہے ہوں اس نکتہ نگاہ سے غور کرنا شروع کر دیں تو اپنے گرد و پیش میں روز ترہ انکو بیسیوں مثالیں خود بخود نظر آتی رہیں گی۔ ہم صرف اپنے اس موضوع مقالہ کے مناسب ایک بات کو ذرا کھول کر بیان کرنا ضرور ہی سمجھتے ہیں۔ سطور بالا میں بدکاری کے جن اڈوں اور ہر شہر میں کھلے بندوں بے حیائی کے جن بازاروں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے بارے میں باخبر لوگوں کی رپورٹ یہ ہے کہ وہاں جن عورتوں کو اس بدکاری کے لئے بٹھا یا جاتا ہے ان میں عموماً ۹۰ فیصدی عورتیں در ہوتی ہیں جو ابتداءً اپنی خوشی اور رضامندی سے اس جیانی کے لئے یہاں نہیں آئیں۔ بلکہ وہ غبیث الفطرت اور شرم و غیرت سے عاری مرد جو چٹکوں کا یہ کاروبار کرتے ہیں۔ تیسیم۔ لاعارف اور بعض بھولی بھالی سیدھی سادی لڑکیوں کو طرح طرح سے ورغلا کر اور دھوکہ فریب دیکر دور و دراز کے مقامات سے اغوا کر کے لاتے ہیں۔ اور پھر جبر و تشدد سے انکو مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ اس ذلیل پیشہ کو اختیار کریں۔ اور غلاہر ہے کہ جب گو ہر

عصمت کی آب جاتی ہے۔ اس ناپاک ماحول میں جبر و ظلم کے ساتھ کچھ عرصہ متواتر دن گزاتے جاتیں۔ تو آخر وہ لڑکیاں اس ذلیل پیشہ کی عادی بن جاتی ہیں۔ اور پھر وہ سمجھتی ہیں۔ کہ اب شریف سوسائٹی میں اور اپنے خاندان میں عزت کے ساتھ رہنے کی اب کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ تو باقی ماندہ زندگی بھی آخر کمین در در پھر کر گزارنی ہوگی۔ تو اس کی بیچشیاں گزار دی جائے۔ اور اگر ان کو یقین ہو جائے کہ ان ظالموں کے ہاتھ سے وہ نجات پاسکتی ہیں۔ اور سچی توبہ کے بعد شریف خاندانوں میں ان کو جگہ مل سکتی ہے تو وہ ہر وقت اس ذلیل پیشہ اور خدا کی بیادشت و سرکشی کو چھوڑ کر باہر آنے کے لئے تیار ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

ولا تکرہوا
فتسیاتکم علی
البغاء ان اسرادن
تحمقنا لتبتخوا
عرض الحیوة
الدنیاء و من
یکما ھھن
فان اللہ من
بعد اکما ھھن
غفور رحیم۔

اور اپنی لونڈیوں کو زنا کرنے پر مجبور نہ کرنا۔ اور بالخصوص جب وہ پاک دامن رہنا چاہیں محض اسلئے مجبور نہ رہے ہو کہ دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ یعنی مال تم کو حاصل ہو جائے۔ اور جو شخص انکو مجبور کرے گا اور وہ بچنا چاہیں گی تو اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کئے جانیکے بعد ان کے لئے غفور رحیم۔ بخشنے والا مہربان ہے۔

زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ اس طرح کی کمائی کرتے تھے کہ لونڈیوں کو مجبور کر کے ان سے زنا کرتے تھے۔ اور عبداللہ بن ابی ریس المنافقین نے بھی اپنی دو لونڈیوں کو اس پر مجبور کیا تھا۔ چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے کہ ان لونڈیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں آکر اسکی شکایت

کی تھی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مقدمہ یہ ہے کہ اُس دور کفر و جاہلیت میں کافروں اور منافقوں کا جو وطیرہ تھا۔ اس دور میں پاکستان کے اندر کچھ مسلمان کملائیے لے منافع سرشارت مرد اسی کو ذریعہ معاش بنا کر لڑکیوں کو اغوا کرتے اور مجبور کر کے چکوں کو آباد کرتے ہیں مدت سے یہ کاروبار اسی طرح جاری ہے۔ اور یہ طریق کار یقیناً اس انگریزی قانون کی رو سے بھی جرم ہے۔ جس کو بد قسمتی سے اب تک ہم نے اس ملک پر تسلط کئے رکھا ہے۔ گراسفانون نے جب چکے کو آزادی دی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ قانون کی نگاہ میں زنا جرم نہیں۔ اسلئے پولیس اس معاملہ میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتی۔ تو عدم مداخلت کی یہ پالیسی اب اتنی عام ہو گئی ہے کہ اغوا کر کے لڑکیوں کو ان بازاروں میں لایا جاتا ہے۔ اور ظلم و تشدد سے زنا بالجبر کرایا جاتا ہے۔ مگر باز پرس نہیں ہوتی۔ جس سے ان وحشی اور بد طبیعت کاروباریوں کی برأت بڑھ گئی۔ اور اب تمام پاکستان کے شہروں میں وہ لوگ بلا کسی خوف و اندیشہ کے یہ ملعون تجارت کرتے۔ اور معصوم بچیوں کو بازار جن میں فروخت کرتے ہیں۔ اور میض ظن و تخمین نہیں۔ بلکہ ایک حقیقت ہے۔ چنانچہ ہارنومبر کو سرحد پولیس نے لاہور کی سی، آئی، ڈی کی مدد سے لاہور کے رسوائے عالم ہیرامنڈی پر چھاپہ مارا تو قریباً ایک سو نو جوان لڑکیاں برآمد کیں۔ اس سلسلہ میں اخبارات کی جو اطلاعات ہیں۔ ان کا خلاصہ اخبار ”آزاد“ کے الفاظ میں یہ ہے :-

معلوم ہوا ہے کہ ان لڑکیوں کی عمریں دس اور اٹھارہ سال کے بین بین ہیں۔ اس دس سالہ بچیوں کو نئے حالات اور ماحول نے اس قدر متوحش کر دیا ہے۔ کہ وہ اب تک یہ نہ سمجھ سکیں کہ ان کے ساتھ کیا بیتی اور کیوں ایسا ہوا۔ یہ باز یافتہ

لڑکیاں انتہائی شرمیلی معصوم اور حسن نسوانیت کے بوسہ پر مالا مال ہیں۔ ان کے اغوا کی داستانیں بے حد لرزہ خیز ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ پولیس اس سلسلہ میں حکومت سے کسی نئے آرڈیننس کے نفاذ کی استدعا کرے گی۔ اطلاعات کے مطابق یہ لڑکیاں شریف گھرانوں کی عزت و ناموس تھیں۔ انھیں درغلا کر گھروں سے لایا گیا۔ انھیں طرح طرح کا لالچ دیا گیا۔ اور بعد میں انھیں ”منڈی کی جنس“ سمجھ کر مختلف دکانداروں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ بازار حسن کی زینت بنا دی گئیں۔ جن مظلوم لڑکیوں سے عصمت فروشی کا پیشہ کرایا جاتا تھا۔ ان میں سے بعض نے اپنی مظلومگی کی جو دردناک داستانیں بیان کی ہیں وہ اس قدر لرزہ خیز ہیں کہ کوئی بھی خیرت مند انسان ان واقعات کو سننے کی تاب نہیں رکھ سکتا۔

(آزاد ۱۹ نومبر ۱۹۵۳ء)

ادھر ”آزاد“ کے اسی شمارہ میں ایک اغوا شدہ معصوم لڑکی کی دردناک داستان بھی شائع ہوئی ہے۔ جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس آزاد اسلامی ریاست میں کس قسم کے شرمناک واقعات ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ جس طرح ہم یہ اپنا فریضہ سمجھ کر ادا کرتے ہیں کہ حکومت کے کارکن جب اپنے فرائض منصبی کے سرانجام دینے میں غفلت و تساہل سے کام لیں تو ان کو توجہ دلائیں۔ اسی طرح ہم یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اچھے اقدام کی تحسین کریں۔ نہ وہ پہلی صورت نفرت و عداوت پر مبنی ہوتی ہے۔ اور نہ یہ دوسری صورت خوشامد و چالوسی پر۔ بلکہ ہر صورت میں حق نصیحت ادا کرنا اور نیکی کے لئے جو عمل بڑھا کر ناظر ہوتا ہے۔ لہذا سرحد پولیس نے لاہور کی سی، آئی، ڈی کی امداد سے لاہور میں جو اقدام کیا۔ اور بہت سے ماز ہائے درون پردہ کو منکشف کر کے اس ظلم و جبر کو دور کر نیکی

مرد مسلمان

محترم حکیم محمد فاروق صاحب لاہور

لیکن مسلمان جھوٹ نہیں بول سکتا۔ یہ باور کرنے سے کہ مسلمان کی زبان کذب و دروغ سے آشنا ہو سکتی ہے۔ بہتر ہے یہ ہزار بار یقین کر لوں کہ ہوا اور پل چھلانگیں لگا سکتے ہیں..... یہ واقعہ حقیقت پر مبنی ہو یا افسانوی جدت، ہر حال مسلمانوں کے ایمان کا معیاری نمونہ ہے۔

یہ تو ڈیڑھ سو سال پیشتر کا قصہ ہے۔ اور آج تہذیب و تمدن، علم و فن، اخلاق اور شائستگی کا دور ہے۔ یقیناً اوصاف حمیدہ میں کچھ نہ کچھ ترقی ہوئی چاہئے۔ لیکن مالا کے تجربہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو کچھ ہوا وہ اس سے بہت مختلف ہے۔ امتداد زمانہ کا یہ اثر ہے۔ کہ اس ڈیڑھ صدی بعد کا مسلمان جھوٹ، کذب، مکاری اور اسی نوع کی سب بد اخلاقیوں کو گوارا کر سکتا ہے۔ اب ایمان اور اسلام کی روح اس جسدِ مسلمان سے خارج ہو چکی ہے۔

اسلامی اصول اور طرز حیات کو شانِ استغنا کیساتھ نظر انداز کر دیا جاتا۔ زندگی کی ساری قدریں غیر اسلامی ہیں۔ انفرادی اور اجتماعی ماحول کا کوئی گوشہ ایمان نہیں جہاں خدا، رسول اور اس کے قانون سے وفاداری بشرط استواری کا اعلان کیا جائے۔ کہیں علی الاطلاق پردہ کی ممانعت کیجاتی ہے۔ اور جرات کے ساتھ اسے غیر شرعی دستور ثابت کیا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ عام فاشی آزادی، بے حیائی اور عصمت فردی کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ کہیں سرے سے اسلام کے ساتھ بیزارسی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ یہ ایک قدیم اور ناقابلِ تعمیل قانونِ حیات سمجھا جاتا ہے۔ کل تک

آج سے تقریباً ڈیڑھ صدی پیشتر کی ایک کتابی مثال۔ ملا جیون، شہنشاہ عالمگیر اور نگ زیب کے استاد جوہور کے زخموں کے تھے۔ ایک دفعہ چند لوگ ان کے پاس آئے اور بولے۔ جوہور کا بٹاپل خفا ہو کر بڑی تیزی سے بھاگا جا رہا ہے!

”ملا صاحب حیرت سے بولے۔ پل بھاگا جا رہا ہے۔“ جی ہاں۔ انہوں نے جواب دیا۔

”ملا جیون کے چہرے پر تشویش اور پریشانی ظاہر ہوئی۔“ بولے ”پھر تو غضب ہو جائیگا۔ سارا شہر ڈوب جائیگا۔ کیا بچاؤ کی کوئی صورت ہے؟“

لوگوں نے جواب دیا۔ ”اگر کچھ روپیہ دیا جائے تو وہ اپنا الادہ بدل سکتا ہے۔“

”ملا صاحب سینگر خوشی سے اچھل پڑے۔ اور فرمایا ”گنوارہ روپیہ لے لیگا۔“

لوگ بولے ”کم از کم ایک ہزار۔“ ملا صاحب گھر کے اندر گئے۔ اور ایک ہزار مٹی تھیلی لاکر سامنے رکھ دی۔ اور کہا ”جاؤ اسے راضی کر لو۔“ لوگ روپیہ لیکر پل کو منانے چلے گئے۔

ملا صاحب کے ایک دوست نے یہ واقعہ دیکھ کر کہا ”آپ نے بھی سادہ لوحی کی انتہا کر دی۔ کہیں پل بھی بھاگ سکتا ہے۔“

ملا صاحب نے جواب دیا۔ ”دنیا کے سارے پل، ہوا، شجر و حجر بھاگ سکتے ہیں۔“

دیکھتے ہیں۔

غیرت و حمیت کی قربانی کا یہ منظر دیکھ کر کتنا پڑتا ہے
”مسلمانی در کتاب و مسلمان در گور“

وہ مسلمان عورت جس کے پاؤں کی اڑی کا دیکھنا
بھی اخلاقی جرم ہے۔ جس کی تعلیم یہ ہے۔ کہ آواز بلند
کرنا بھی خلاف حیا ہے۔ آج زینت اسواق بن رہی ہے
سینما اور تفریح گاہوں کی رونق ہی اس کے قدم با
حرکت سے ہے۔

مسلمان عورت ہے یا مرغِ آبی

کہ سینہ کو مانے حبلی جا رہی ہے

زین بار عصیاں سے تھر رہی ہے

لیکن ایک پہلو یہ بھی ہے مسلمان کی تصویر کا :-

وہ کونسا جرم ہے جس کی کثرت اس قوم میں نہیں ہے۔

وہ کونسا فعل ہے جو اس قوم کو دوسروں سے متمیز کرتا ہے؟
عام انسان اور مسلمان میں کونسا خصوصی انفصال ہے۔

بھوٹ، مکاری، فریب کرنے کے باوجود بھی مسلمان،
ذنا، اغوا، جوا، شراب کا مرتکب ہو تو بھی مسلمان، مسلمان
یابد نام کنندہ نہ کو نام اسلام۔

یہ ان کے سیاسی باپ جنہیں اولاد کے علم میں امریکہ

برطانیہ اور روس کے دور سے پڑا ہے۔ یہ ان کی

مائیں جو انہیں دن رات آزادی کا گرائپ ڈال رہی ہیں۔

اور ہمیشہ صاف ستھرا رہنے کے لئے خود مثال بن کر

دکھاتی ہیں۔ جو تحفظات کے لئے اپنی بیٹیوں کو زمانہ پریڈ

کی ترغیب دیتی ہیں۔ اور پیر اپنے ہم عصروں کے پاس جا کر

بڑے فخر کے ساتھ بیان کرتی ہیں کہ ہماری اولاد بڑی

حد تک ہماری تربیت یافتہ ہے۔ وہ آزادی، تہذیب

اور عربیانی میں کسی ترکی، مصری اور امریکی خاتون سے پیچھے

مسلمان کے متعلق یقین تھا۔ کہ وہ بھوٹ اور کذب سے متبرا

ہے۔ آج ہماری عدالتیں جہاں عدل و انصاف اور سچائی و

حق کی آخری توقع وابستہ ہے۔ اخلاقی جلس کو اربابِ زخوں

پر فروخت کر رہی ہیں۔ آج کا مذہب اور تعلیم یافتہ انسان مثلاً

عدل پر کھڑا ہو کر دانستہ اور جی بھر کر کذب تراشی کرتا ہے۔

کلمہ طیبہ کے نام لے کر آج اسلامی حکومت کے قیام سے

گریز کی راہیں تلاش کر رہے ہیں مسلمان ہوتے ہوئے اسلام

کی لایعنی تاویلیں کر کے اپنے دامن کو چھڑانا چاہتے ہیں۔ اور

آٹھ کروڑ مسلمانوں کو امریکہ اور برطانیہ کے اصول اور عمل

پر چلانے کے متمنی ہیں۔ باطلانہ نظام تعلیم نے پہلے ہی

مسلمانوں کے دل و دماغ سے بڑی حد تک اسلام کو خارج کر دیا

پڑا ہے۔ اسپر، سینما، ریڈیو کے گانے، عشقیہ ناول اور

افسانے اور ان سب سے بڑھ کر اکابرین قوم کے طرز عمل نے

رہی سہی بنیادیں بھی کھوکھلی کر دی ہیں۔

اڑلائی باغیچہ سال کے قلیل عرصہ میں اسلام کی طرف لانے کے

بجائے جبراً مغربی انداز حیات کی طرف دھکیلنے کی کوشش

کی گئی ہے۔ قوم کا معتد بہ حصہ، افراد اور جماعات ایک

شکست کے عالم میں ہیں۔ ایک طرف حقیقت سے

اور دوسری طرف باطل کی ترغیب و تحریص، علمی فقدان

کی بنا پر انکی عقل فیصلہ کرنے سے عاجز ہے۔

محاشی بحران کی وجہ سے بہت سی بد اخلاقیات نشو و

نما پکڑ رہی ہیں۔ جن میں جنسی ارتبا ط کو زیادہ اہمیت حاصل ہے

ہیں یہ دیکھ کر از حد دکھ ہوتا ہے کہ قوم کا بہت بڑا

حصہ اسی تباہ کن مشغلہ میں گرفتار ہے۔ ان لوگوں

کی تعداد بہت کم رہ گئی ہے جو فی الواقع عصمت و

عفت کی قد و قیمت جانتے ہیں۔ اس حرام میں وہ سب

بھی ننگے نظر ہیں۔ جنہیں ہم اعزاز و احترام کی نگاہ سے

نہیں۔ یہ مسلمان ہیں! یہ انکا اسلام ہے!!

اگر ہم اس سے ہٹ کر تصور کے ہوائی جہاز پر سوار ہو جائیں تو اس ملک کی سطح اور اس کے نشیب و فراز کا منظر صاف طور سامنے آ جاتا ہے۔

محشیت، معاشرت اور سیاست کی زندگی کے تین اہم گوشے ہیں۔ جن کی حالت ناقابل بیان ہے۔ بڑے بڑے کامیاب تجار کا قول ہے۔ کہ مبالغہ آمیزی، ریا کاری، دھوکا، فریب اور کذب کے بغیر کاروبار کی گاڑی چلنا محال ہے۔

وہ کسی کی ناجائز ضروریات سے کبھی فائدہ اٹھانا پسند نہیں کرتا۔

مسلمان وہ ہے جو ہمیشہ اس اخلاقی تعلیم کو پیش نظر رکھے۔ اور اپنی ذات سے ہر حال دوسروں کو فتنہ پہنچانے دشمن اور مخالف سب کو قابل عفو باتوں میں معاف کر دے۔ اور قابل مواخذہ امور میں حدود اللہ سے تجاوز نہ کرے۔ قلب و ذہن کو نیت فاسدہ اور خیالات باطلہ سے پاک رکھے۔ اپنے فرائض کو ہر وقت محسوس کرے۔ نفس کا محاسبہ کرتا رہے۔ پاکیزگی نفس کا پہلا کام موت کو بکثرت یاد کرتا رہے۔

مسلمان تو غذا کا سپاہی ہے۔ جسے دنیا میں باطل سے جنگ کرنے اور حق کو قائم کرنے کی دائمی ڈیوٹی پر امور کیا گیا ہے۔

وہ کیا مسلمان ہے۔ جو جرائم کو دیکھے اور خاموش رہے۔ ظلم و ستم، سرکشی و بد اخلاقی، فحاشی و بے حیائی، بغاوت و حق اور فتنہ و فساد کو دیکھے اور اس کے دل و دماغ میں ہلچل پیدا نہ ہو۔ جو ایمان یہ تڑپ پیدا نہیں کر سکتا وہ ایمان ہی نہیں ہے۔ اسکی بجائے نقلی جنس ہے۔ جسے

فوراً اصل سے بدلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

مسلمان کی اجتماعی اور انفرادی دونوں شعبہ حیات پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض عائد کیا گیا ہے۔ جسے اقامت دین اور اقامت حق کے نام سے بیان کیا ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان کلہ گو کی زندگی اور ایک غیر مسلم

کی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ عام انسان کے نزدیک کامیاب زندگی کا مقصد زیادہ کمنا اور آسودہ زندگی بسر کرنا ہوتا ہے۔ وہ دنیا اور اس کے تعلقات میں پختگی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ لیکن مسلمان کے دونوں

کاندھوں پر دو قسم کی ذمہ داریاں ہیں۔ حسن الدنیا اور حسن الآخرة۔ وہ ایک طرف ایک عام انسان کی سی زندگی بسر کرتا ہے۔ دوسری طرف وہ خدا کے فرمانبردار سپاہی کی ڈیوٹی ادا کرتا ہے اسلئے مسلمان اور کافر کا معیار حیات یکسانیت سے دور ہے۔ کیونکہ نورا و ظلمت، دن اور رات حق اور باطل کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔

یہی پیریں تو تین کام دیتی ہیں۔ ”حاجی صاحب سینا“ وائے۔ مفتی صاحب شراب فروش، سید صاحب فلم کمپنی کے مالک آپکو عام نظر آئیں گے۔

معاشرتی جسم بھی اسی قسم کے جراثیم سے تملل رہا ہے۔ زوجیت کے غلط دستور العمل کی وجہ سے کتنے ایسے افراد ہیں۔ جو قومی اور نسلی رسم و رواج کی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ کتنے ایسے افراد ہیں۔ جن کا حق وراثت ضبط ہو چکا ہے۔ اور جو سسک سسک کر زندگی کو آخری سلام کہہ دینے پر مجبور ہیں۔ معاشرتی ارتباط میں خلوص کا عنصر ہے۔ کہ پیش نظر ہوں تو نواب زادہ صاحب ہیں۔ اور پس نظر ہوں تو حرام زادہ صاحب ہیں۔

سیاست کے متعلق کیا کچھ ہے جو قابل امتحان ہو۔

اور ہر ممکن طریقہ سے اسے روکنے کے ذرائع پیدا کرتا ہے۔ ایسی تعلیم دیتا ہے جس سے یہ مرض بڑھنے کے بجائے گھٹنے پر مجبور ہو۔ اسلام انسانوں کے درمیان معاشرتی ہمدردی و ارتباط، سیاسی عدل و انصاف، معاشی توازن اور لسانی اطاعت، گزاری و شکر گزاری کو فروغ دینا چاہتا ہے۔

وہ ابو وحب، اسراف، بخل سے بھی منع کرتا ہے۔ اور اپنے اندر ایسے قوانین رکھتا ہے جو انسانی امراض کو مٹانے میں تریاق کا کام دیتے ہیں۔ ایسے تمام طرائق و اطوار کا سد باب کرنے کی تلقین کرتا ہے جس سے بد اخلاقیات فروغ پا سکیں۔ زندگی کی ہبہود کے لئے اخلاقی تعلیم دیتا ہے۔ اور انسانی توازن کو بگڑنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ فیض و وقت اور فیض مال سے بھی بچنے کی ترغیب دیتا ہے۔

اس نے انسانی تقاضوں کے پیچھے ایک خط حد بندی مقرر کر دیا ہے۔ جس سے باہر نکلنا جرم سمجھا جاتا ہے۔ موسیقی طبعی مشغلہ ہے۔ اسکی جائز حیثیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسے فطری ذوق تک محدود رکھنا مناسب ہے۔ اور جب وہ اس مقام پر پہنچ جاتے جہاں اس کا انہماک دوسری روحانی اور اخلاقی خرابیاں پیدا کرتا ہے۔ اسلام دماغ اس سے باز رکھتا ہے۔

جمالیت کے طبعی رجحان سے انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن اسے چند حدود کا پابند ٹھہرایا جاتا ہے۔ جن سے زنا یا آوارہ محبت کا امکان نہ ہو۔

اسلام یہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ کوئی انسان ایسی زندگی اختیار کرے جس سے دوسروں کی ضروریات پر ضرب لگے۔ اور یہ خود آسائش میں مبتلا ہو۔ وہ انسانی

انفرادیت کا گلا گھونٹ کر اسکی لاش پر اجتماعیت اور حکومت کی عمارت تعمیر کیا رہی ہے۔ نہیں جانتے کہ انفرادیت اور اجتماعیت کا مفاد لازم و ملزوم ہیں۔

انہوں نے دین کب سیکھا تھا جا کر شیخ کے گھر میں اپنے کالج کے چکر میں۔ مرے صاحب کے دفتر میں۔

یہ سب کچھ کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کے ذریعہ سے انسانی زندگی کے گرداگرد ایک حد بندی مقرر کر دی ہے۔ جو باؤ کا کام دیتی ہے۔

جس طرح مشین کا بنانا بولا اسکی ساخت کو بہتر جانتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کا راز دان ہے۔ اس نے تمام شعوب حیات کے درمیان کچھ خطوط کھینچ دیئے۔ جس کے اندر رہ کر کام کرنا احسن اور ان سے تجاوز کرنا قباح ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں حدود اللہ سے تعبیر کیا ہے۔ جنسی تعلقات انسانی فطرت کی زبردست خواہش ہے۔ لیکن اگر حدود اللہ سے گزر کر اغناعی وادی میں قدم رکھ دیا جائے تو یہی نیکی حیثیات سے بدل جاتی ہے۔ زنا، سود، حق تلفی، ظلم یہ سب کچھ حدود شکنی ہے۔

انسان کی سب سے بڑی غلطی یہی حد شکنی رہی ہے۔ وہ حرص و آرز کی بنا پر اپنے حق سے بڑھ کر دوسروں کے حصہ پر دست درازی کرتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو قطعاً ناپسند ہے۔ کیونکہ اس سے انسانوں کے درمیان عدم توازن پھیلتا ہے۔ جو ساری دنیا کے حق میں قاتل ہے۔ اب دیکھئے اللہ تعالیٰ دستورِ عمل حیات کو اسلام کے نام سے کس طرح ارشاد فرماتا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ اسلام زنا، جوا، شراب، سود وغیرہ کو حرام قرار دیتا ہے۔

تاریخ مذہب شیعہ

(محترم محمود احمد ضا ظفر سیالکوٹ)

غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لیا۔ جو دو سو برس تک اس قعرِ ملت میں گرے رہے۔ ان پر طرح طرح کے ظلم و تشدد کئے جاتے۔ چھوٹے چھوٹے پڑموں پر بہت بہت سخت سزائیں دی جاتیں۔ ان کے بچوں کو قتل کر دیا جاتا۔ اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیا جاتا۔ غلامی کی چند گھڑیاں ہی عذاب الیم ہوتی ہیں۔ نہ کہ کئی صدیاں۔ اس صدیوں کی غلامی میں بنی اسرائیل انسان نہیں سمجھے۔ بلکہ تمام انسانی شرافتیں اور خوبیاں ان سے رخصت ہو چکی تھیں۔ نہ بلند خیال و بلند پروازی اور نہ بلند ہمتی۔ کسی نیک خصلت کا ان میں نام و نشان تک باقی نہیں رہ گیا تھا۔

۵ حسرتِ ایں امت کہ معیاد مرا پندارے
دُفس داشت کہ راہِ چین از یادم رفت

ایک مدت طویل تک محکوم رہنا اور جنگِ عرب کو سوں دو ہنگام ان کی شریفانہ احساسِ قوت و مافوق اور قومی سپرٹ (National spirit) کو محو اور ملیامیٹ کرنے کے لئے کافی و کافی تھا۔ جنگ میں جہاں نونریزی ہوتی ہے۔ وہاں شجاعت، خودداری، بلند جوہلی، فہم و استقلال، فیاضی اور قومی سپرٹ کو ابھارنے کی ترکیب بھی ہیں۔ ہاں جنگِ مافوق اور حفاظتِ جان و مال کے لئے ہو نا چاہئے۔ ملکِ ستانی اور تسم رانی کا مقصد پیش نظر نہ ہو۔

مصر سے انزاج کے بعد جب کبھی بنی اسرائیل کو

خداوند تبارک و تعالیٰ نے جب اس عالم کائنات کی بنیاد رکھی تو اس عالم میں اپنی خلافت و امامت سپرد کرنے کے لئے حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پردہٴ عدم سے منصفہ شہود پر لائے۔ جس کا ذکر قرآن حکیم میں ظاہر و باہر ہے۔ آدم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے نبیوں کا تذکرہ قرآن حکیم میں ہے وہ سب آپ ہی کی اولاد سے ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ بڑے کا اسم گرامی حضرت اسمعیل علیہ السلام اور چھوٹے کا نام حضرت اسحاق علیہ السلام تھا۔ حضرت اسمعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ کے بطن سے تھے۔ جن کا لقب اسرائیل تھا۔ اور حضرت اسحق علیہ السلام حضرت سارہ کے بطن مبارک سے تھے۔ حضرت اسحق علیہ السلام کے ایک بیٹے یعقوب تھے۔ جن کا لقب اسرائیل تھا۔ اسرائیل کے معنی ہیں مردِ خدا۔ ان کے بارہ بیٹے تھے۔ وہ سب اور ان کی اولاد بنی اسرائیل کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہی بعد میں یہودی کہلائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام جو کہ حضرت یعقوب کے سب سے زیادہ محبوب بیٹے تھے۔ جب بادشاہ مصر کے نائب ہوئے تو انہوں نے اپنے خاندان کو وہاں مصر ہی میں بلا لیا۔ جہاں ان کی نسل خوب پھیلی پھولی۔ مصریوں کو انہی دن دگنی اور رات چوگنی ترقی دیکھ کر حسد پیدا ہوا۔ اور انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے انتقال کے بعد بنی اسرائیل کو

تھوڑی سی تکلیف ہوتی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کرتے کہ اس سے تو ہم مصر ہی میں اچھے تھے۔ اے موسیٰ تو نے ہمیں وہاں سے نکال کر خراب کیا ہے۔ مگر ان کو یہ پتہ نہیں تھا کہ وہاں ہم اچھے کیا خاک تھے۔ غلام تھے، ذلیل و خوار تھے، فرعون کی غلامی موت تھی۔ جو کہ زندگی کا جامہ اوڑھ کر آئی تھی۔ دل نادان ہلائی زحفا تو خوش مست لے جفا ہاتھ تو خوشتر زحفا تو دگراں

یہ سارا محض غلامی اور محکومیت کا اثر تھا۔ جس نے ان پر یہ جمود اور بے حسی طاری کر دی تھی۔ گوشے میں قفس کے جھے آرام بہت ہے یہ محکومی اور غلامی ہی کی برکتیں ہوتی ہیں کہ آدمی شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو اور تجربہ کر کے دیکھ لو کہ آذامی شرک میں مبتلا نہیں ہوتا۔

۵۔ بیزارم ازاں کہنہ فدائے کہ تو داری ہر لحظہ مرا تازہ خدائے دگر و ہمت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انکو فرعون کے ظلم و تشدد سے نجات دلائی۔ مگر آذامی کے بعد بھی ان کی ذہنیتیں ویسی ہی ویسی تھیں۔

حضرت ایل مست کہ صیاد مرا چنداں در قفس داشت کہ راہ چین از یاد رفت حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بلا نے پر چند روز کے لئے کوہ طور پر گئے۔ اور اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو پیچھے چھوڑ گئے۔ اتنے عرصہ میں کچھ کا کچھ ہو گیا۔ بنی اسرائیل ایک گائے کے بچے کی پرستش کرنے لگے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو گوسالہ پرستی سمیت منع فرمایا۔ مگر انہوں نے ایک نہ سنی۔ اور برابر

اس شرک کے کام میں مشغول رہے۔

آوارہ غربت نہ تو ان دید صمم را !
خواہند دگر جسکہ سازند حرم را

ادھر اس طرح اپنی ذہنیت بد کا مظاہرہ کیا۔ ادھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لائے تو یہودی اس کو دیکھ کر گھبرائے۔ جیسے کوئی ابتلائے عظیم میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ فوراً پکار اٹھے یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ ہم سے تو اتنے حکموں کی تعمیل نہیں ہو سکے گی۔

کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سر نوشت میں

گو یا جس پر سجدہ بت کا نشان نہیں

غرفیکہ کبھی خدا تعالیٰ کے ساتھ استنزا کرتے کبھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانیاں کرتے۔ چونکہ انکے دماغ اور ذہنیتیں خراب ہو چکی تھیں۔ اس لئے انہیں یہ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ ہم گناہ کرتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ اور ہومی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے سب سے بچھے نبی اور رسول تھے۔ جو بنی اسرائیل کی منتشر اور کھوئی ہوئی بھٹیروں کو اکٹھا کرنے اور راہ رامت پر لانے کے لئے آئے تھے۔ انہوں نے یہاں دنیا میں اگر انجیل کے احکام سنائے شروع کئے۔ وہ چونکہ یہودیوں کے خلاف تھے۔

اس لئے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سخت مخالفت کرنی شروع کر دی۔ کہیں انکو قتل کرنے کے مشورے ہو گئے۔ کہیں ان پر جھوٹے الزامات تراش کر ان کے دامن عصمت کو تار تار کر کے قبیح منصوبے بنائے جانے لگے۔ کہیں بادشاہ وقت کو اس بات پر اکسایا کہ تیرے مقابلے میں بادشاہت کا مدعی ہے۔ اور لوگوں کو اپنا حواری بنانا چاہتا ہے۔ غرضیکہ جتنے الزامات اس مقدس ہستی پر ان

ہو سکتے تھے لگائے۔ مگر کچھ نہ بنا۔ پھر کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ذلت کو سوار کر دیا۔ اور غضب کی لعنت کا طوق ان کے گلے میں ڈال دیا۔ **خُذِرَتْ عَلَیْہِمْ الذَّلٰلَةُ** الخ

یہودیوں کے ہونقائص اور افعال فلیجہ اور پر بیان ہو چکے ہیں۔ انہوں نے صرف انہیں پر اکٹفا نہ کیا۔ بلکہ انبیاء علیہم السلام کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہ کیا۔ **یَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِیَاءَ بِغَیْرِ حَقِّ** آخر اسی فتنہ نے حضور کے وصال کے بعد جب رفض کے لبادہ میں سراٹھایا تو پھر ان میں انکی وہ پرانی عادت (قتل انبیاء) عود کر آئی۔ مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آتا تھا۔ اس لئے انہوں نے آپ کے نوامسوں اور دیگر خویش و اقارب کو شہید کرنا شروع کر دیا۔ جس کا مفصل و مدلل ذکر آگے آئے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد یہودیوں نے عیسائیوں متحدہ اور منظم پلیٹ فارم **plato** (۱۶۵۰ء) کو پرانگندہ کرنے کی سعی پیہم شروع کی۔ آخر وہ وہ اس مطلب میں بھی کامیاب ہو گئے۔ اور پولوس نے جو کہ ابن سبائی طرح یہودی تھا۔ مگر عیسائیت کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا۔ عیسائیوں کے عقائد کو خراب کر دیا۔ اور انکو شرک و بدعت کی تعلیم دینی شروع کر دی۔ اور ان کے درمیان ایسا افتراق برپا کیا کہ ان میں پھر آج تک اتحاد نہ ہو سکا۔

شریب میں یہودی

حضرت سلیمان علیہ السلام نے خداوند تعالیٰ کی عبادت کے لئے یروشلم میں ایک گھر بنایا۔ جس کو بیت المقدس کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ کابل کے بادشاہ نصر نے یروشلم پر حملہ کیا اور بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ تین برس کے

شدید محاصرہ کے بعد یہودی وہاں سے نکل کر جنگل کی طرف بھاگے۔ دشمن نے تعاقب کیا اور ایک مقام پر گھیر لیا۔ یہودیوں کے بادشاہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ مگر کچھ یہودی بھاگ کر یثرب (جسکو مدینہ کہتے ہیں) کے گرد و نواح میں آکر آباد ہو گئے۔ کیونکہ انہوں نے پڑھا تھا کہ ایک پیغمبر آخر الزمان حجاز میں پیدا ہونے والا ہے۔ اس لئے اس کی اتباع کے پیش نظر انہوں نے خیبر اور دیگر مقامات میں جو کہ مدینہ کے ارد گرد تھے بسنا شروع کر دیا۔

محمد عربی اور یہودی

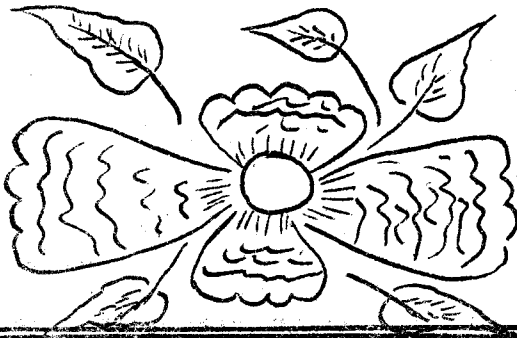
اوپر گزر چکا ہے کہ یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اب ذرا یہ بھی سن لیجئے کہ انہوں نے جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ یہودی عرصہ قدیم سے اس بنی آخر الزمان کے منتظر اور چشم براہ تھے۔ اور آپ کو آپ کی نشانیوں کے باعث اسی طرح پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹے کو پہچانا جاتا ہے۔ **الَّذِیْ یَنْتَظِرُکُمْ اَلَّذِیْنَ هُمْ اَلْکِتَابُ یَحْیٰی فَوَیْزًا کَمَا یَحْیٰی فَوَیْزًا** ابناؤ ہم اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہودی بنی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی جانتے تھے۔ پھر آپ کی نبوت کے ماننے سے کیوں انکار کیا۔ آخر اسکی کیا وجہ تھی۔ سو معلوم ہونا چاہئے کہ انکار کے اسباب بہت ہو جاتے ہیں۔ اسباب کی کمی تھوڑی ہی ہے۔ فسد، تعصب، اغراض نفسانی، بغض و کینہ، قومی پادساری، قومی تفاخر اور ایسے اور بہت سے وجوہ ہیں جن کی آڑ میں آکر آدمی حق کا انکار کر دیتا ہے۔ جن کی مثالیں آگے آئیں گی۔

بنی صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت مدینہ کے گرد و نواح میں یہودیوں کے تین قبیلے تھے۔ جو بہت طاقتور تھے۔ بنی قنیقاع،

ہو گیا کہ اس نے مدینہ میں رہنا گوارا نہ کیا۔ اور مکہ چلا گیا۔ وہاں جا کر مقتولین بدر کے نوے لکھے۔ اور قریش کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ رکھا۔ مسلمانوں کی مستورات کی امانت کرتا تھا۔ یہ یہودی ہی تھے جنہوں نے جنگ خیبر میں آپ کو شہید کرنے کے لئے کھانے میں زہر ملا دیا۔ مگر آپ کی رحمتہ للخلیقہ کو دیکھتے کہ آپ نے اس یہودی عورت کو جو اس ناپاک کام میں پیش پیش تھی چھوڑ دیا۔ القہر یہودیوں نے جتنی شرارتیں مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے ہو سکتی تھیں کہیں۔ اور یہ ہر برے کام میں پیش پیش ہوتے تھے۔ لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودُ (باقی آئیندہ)

بقیہ ص ۲۱ - ضروریات اور خواہشات کا منکر نہیں۔ لیکن اسے اتنی وسعت دینا نہیں چاہتا۔ جس سے توازن بگڑ جائے۔ وہ ایک سادہ اور پاکیزہ زندگی کی تعلیم دیتا ہے۔ جس سے عام حالات میں بھی گذر بسر چل سکے۔ اور دوسروں کی حق تلفی کی نوبت ہی نہ لگے۔

اسلام ایسے ذرائع و وسائل کو بند کر دینا چاہتا ہے۔ جس سے دوسروں کے مایحتاج فراہم ہونے میں دقت پیدا ہو۔



بنی نضیر، اور بنی قریظہ ان کے قلعے تھے۔ بنی صلیہ اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آتے ہی یہودیوں سے ایک تحریری معاہدہ کیا۔ جس میں ایک شرط یہ تھی کہ جب کوئی باہر والا مدینہ پر حملہ آور ہو تو تمام مدینہ والے یہودی اور مشرکین مدافعت میں متحد ہوں گے۔ مگر یہودی کب اس معاہدہ کی پیروی کر سکتے تھے۔ وہ تو مسلمانوں کی روز افزوں ترقی سے بہت جلتے تھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب جنگ بدر ہوئی اور قریش مکہ، مدینہ پر حملہ کرنے کے ناپاک ارادے سے آئے تو یہودیوں نے مسلمانوں کی کوئی امداد نہ کی۔ بلکہ الٹی قریش کی حمایت میں مشغول ہو گئے۔ اور جنگ کے بعد پورے طور پر قریش کے شریک کار ہو گئے۔

ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو مخالفت سے باز رکھنے کی نصیحت فرمائی۔ تو یہودی بو کھلا اٹھے۔ اور بہت نا ملائم جواب دیا۔ کہا قریش کو شکست دیکر تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ ہم تمام دنیا سے زیادہ آزمودہ کار اور جنگ جو ہیں۔ مگر اے مسلمانو! قریش تو لڑنا ہی نہیں جانتے تھے۔ جب کبھی ہم سے پالا پڑا تو قدر و عاقبت معلوم ہو جائیگی۔

غرضیکہ یہودیوں کی ایک شرارت ہو تو اسکو حیطہ تحریر میں لایا جائے۔ قرآنی آیات مبارکہ کا مذاق کیا کرتے تھے۔ مسلمانوں کی ہجو کیا کرتے تھے۔ جب کبھی بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے تو بجائے ”السلام علیکم“ کے ”السلام علیکم“ کہتے۔ جس کے معنی ہیں ”تم پر موت ہو“ جو یہودی شاعر تھے وہ مسلمانوں کے دشمنوں کو زور دار نظموں سے بھڑکاتے تھے۔ جنگ بدر میں کفار قریش کی شکست کا صدمہ یہودیوں کو قریش سے کوئی کم نہ تھا۔ کعبہ بن اشرف یہودی تو ایسا جل بھن کر کباب

تعمیر ملت اور تنظیم اُمت

(آنحضرت مولا ناری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ دسرا العلوم دیوبند)

رسالہ ”دارالعلوم“ دیوبند کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہم حضرت مہتمم صاحب کا مقصود اس لئے شائع کرتے ہیں کہ پاکستان کے مسلمان خصوصاً وہ حضرات جو اختیار و اقتدار کے مسند نشین اور تعمیر ملت اور تنظیم اُمت کے امین ہیں۔ ملت کی تعمیر اور اُمت کی تنظیم کے اصل راز کو سمجھیں۔ اور اسلامی ارشاد کے نام سے ہر قسم کے غیر اسلامی امور کو تعمیر ملت کے لئے ملک میں رائج کر دینی بجائے وہ صحیح بنیادوں پر ملت کی تعمیر اور اُمت کی تنظیم کریں ۛ (ادارہ شمس الاسلام)

عرب قومیں ایران و فارس میں پہنچیں۔ اسے فتح کیا۔ وہاں کی قوموں کو فتح کیا۔ ان کے تہذیب و تمدن پر گہرا اثر ڈالا۔ بظاہر مفتوح قوم کو اس انقلاب کے بعد مٹ جانا چاہئے تھا۔ لیکن چنیرے مفتوح قوم کو ٹٹنے سے بچایا۔ بلکہ فاتح کے دل میں مفتوح کا گھر بنا دیا وہ شاہنشاہ وغیرہ فارسی کا لٹریچر ہے۔ فردوسی نے اپنی قوم پر احسان کیا۔ اور ایرانیوں کی عظمت رفتہ کو موت کے منہ سے نکال دیا۔ نہ صرف یہی بلکہ مسلمانوں کو اس حد تک اس عظمت کا دلدادہ بنا دیا کہ سلاطین اسلام اور امراء و عوام نے فخر کے ساتھ ان کا ناموں کو اپنی تاریخ میں جگہ نہیں دی۔ اور اس حد تک متاثر ہوئے کہ ان کے ناموں سے تسمیہ تک مسلمانوں میں رائج ہو گیا۔ ستم خان، سہراب خان، جمشید علی، امیر خسرو، فیروز تخت، ہواں تخت فرخ سیر وغیرہ اسمائے وقت کے ساتھ لٹریچر میں جگہ پائی۔ یہی وہ لٹریچر تھا جس نے نہ صرف مفتوح کو بچایا بلکہ فاتح کو مفتوح کیا۔

عربوں کی شجاعت اور قومی روایات انتہائی جہالت اور فقدانِ تعلیم کے باوجود ان کے شاعروں اور خطیبوں نے

قوموں اور ملتوں کی تعمیر یا دگواروں اور مجسموں نہیں ہوتی۔ بلکہ لٹریچر اور مدون شدہ علمی ذخیروں سے ہوتی ہے۔ لٹریچر میں اس قوم کے مخصوص ذہنی جذبات کی محرک تعمیریں مرقوم ہوتی ہیں۔ اور ہوں ہی دماغ ان لکیروں سے گزرتا ہے وہاں ہی اسمیں متعلقہ جذبات بیدار ہو کر قولئے عمل کو برانگیختہ کر دیتے ہیں۔ اور قوم کے فکر و عمل کا ایک مخصوص خاکہ تیار ہو جاتا ہے۔ جس سے یہ قوم اپنا وجود پالیتی ہے۔ اور اقوام کے جھگڑے میں اپنے انہی مخصوص افکار و اعمال کے ذریعہ ایک امتیازی وجود کے ساتھ موجود ہو جاتی ہے۔ مثلاً ہندو قوم کا ایک خاص کلچر اور خاص رنگ کی ایک تہذیب ہے۔ لیکن یہ تہذیب ان کی تعمیری یادگاروں اور مجسموں جیسے اشوک کی لاٹ، الوداء کے غار، ایجنٹا کی مورتیوں اور سومنات کے مندر وغیرہ سے نہیں بنی کہ ہندو کا بننا اور بگڑنا ان چیزوں کے بھٹنے نہ ہونے پر موقوف نہیں۔ اس قوم کو جو پیرسنبھالے ہوئے ہے وہ ہما بھارت گیتا اور شاستر، ہران وغیرہ کا لٹریچر ہے۔ جو انکی تہذیب و ثقافت کی تعمیر ہے۔ اور ان کے دماغوں اور قومی جذبات کو تھامے کھڑی ہے۔

تصور نہیں باندھا جاسکتا۔

بہر حال قوموں کی حیات و حماۃ کا واحد معیار ان کا لٹریچر اور فکری و عملی سرمایہ ہے۔ جو قوم کے لئے بمنزلہ روح و حیات کے بنتا ہے۔

لٹریچر کے ساتھ لٹریچر فراہم کرنے والی شخصیتوں بھی قطع نظر نہیں گنجا سکتی۔ اگر لٹریچر جمع کرنے والے اچھے خیالات و جذبات کے حامل اور خود اس لٹریچر سے متاثر ہیں تو قلوب کی دنیا سنور کر بیرونی دنیا کو درست کرتی ہے۔ ورنہ بگاڑ دیتی ہے۔ آج کے ہنگاموں، غارت گریوں اور آبروریزیوں کا الزام لوگ غنڈوں پر دیکھتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان غنڈوں کو کس نے بنایا؟ اداؤں کے غلامانہ اور سفاکانہ افکار کی تعمیر کس نے کی۔

جواب اس کے سوا کیا ہے کہ اہل قلم نے، اخبارات نے، رسالوں نے، شاعروں نے، ادیبوں نے، سیاسی اور مذہبی پیشواؤں نے! یہ انہی کی نیکی اور بدی تھی۔ جس کا لباس غنڈوں اور دوسروں نے پسند اس نیکی بدی کو قلم سے زبان تک اور زبان سے ہاتھ پیر تک پہنچایا۔ اور دنیا کو بدل دیا۔ بلاشبہ دنیا میں انقلاب پر دو پگینڈہ کرتا ہے۔ گرپر و پگینڈہ کو زندہ لٹریچر کرتا ہے۔ جسکی آئہ کار قوم بنتی ہے۔ اور انفس کا ذہنی انقلاب آفاق میں خارجی انقلاب آتا ہے۔ اِنَّ لِلّٰہِ لَا یُخَیِّرُ مَا لِقَوْہُمْ حَتّٰی یُخَیِّرَ مَا یَاۡنِسُہُمْ۔

مسلمانوں کی قومی زندگی اور انکی اجتماعی تشکیل و تنظیم اور انکی عالمگیر ترقی بھی ان کے لٹریچر ہی کا ثمرہ ہے۔ مسلمانوں نے عرب، ایران، روم و شام، مصر و فلسطین، عراق و خراسان، ترکستان، افغانستان، ہندوستان، جزائر شرق الهند اور ایشیا و یورپ کا بڑا حصہ فتح کیا۔ غیر مفتوحہ علاقوں پر اپنا اثر قائم کیا۔ عالم پر اپنا پرچم لہرایا اور مختلف

قائم رکھیں۔ اس دور میں خطابت و شاعری میں ان کا لٹریچر اور فکری ذخیرہ نہاں تھا۔ جس کی تصبیروں میں ان کا تمدن اور کلچر لپٹا ہوا تھا۔ وہ شاعر بنتے نہ تھے بلکہ پیدا ہوتے تھے۔ اور مفاخر عرب پر قصائد اور کہاوتیں گنگر قوم کی روایات تھائے ہوئے تھے۔

ماضی قریب میں گاندھی اور دسکرلیڈروں کا بھی فکری ذخیرہ تھا۔ جس نے ادلائخیالات کی دنیا میں انقلاب و ہیمان بپایا۔ پھر نول محل میں اسکی جلوہ گری ہوئی اور پھر آخر کار ملک میں انقلاب رونما ہو گیا جو درحقیقت وہی فکری اور ذہنی انقلاب تھا جس نے اندر سے باہر آتے ہوئے مختلف روپ اختیار کئے۔ اور بالآخر ملک کی غلامی کو آزادی سے بدل دیا۔ جس سے واضح ہو گیا کہ قومیتوں کا مدار کاران کا

لٹریچر ٹھہر جاتا ہے۔ غرض لٹریچر ہی خیالات کی دنیا بناتا ہے۔ اور پھر وہی عملی دنیا میں متل ہو کر جلوہ گر ہوتا ہے۔ گویا قوم کے اوپر بظاہر لباس اون، ریشم اور زری کا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے پردے میں قوم اپنے لٹریچر کے لباس کے لباس ہوتی ہے۔ جو لباس اور لباس دو فوں میں رچا ہوا ہوتا ہے۔ او برنگ لباس خود ہی ظہور کرتا ہے۔ اور قومیتوں کی تعمیر و تخریب کا معیار لٹریچر ثابت ہوتا ہے۔ نہ کہ یادگاریں محسوس یادگاروں سے مٹی ہوئی کسی قوم کی یاد تو زندہ رہتی ہے۔

لیکن خود قوم زندہ نہیں ہوتی۔ آج متعدد قوموں کی یادگاریں مجسموں اور عمارتوں کی شکل میں موجود ہیں۔ لیکن خود وہ قومیں موجود ہیں۔ کیونکہ ان کے بقا کا ضامن لٹریچر موجود نہیں۔ جس سے اس قوم میں حرکت اور زندگی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اگر کسی قوم کی حسی یادگاریں منہدم ہو جائیں مگر معنوی ذخیرے محفوظ طریقہ پر ان کے کردار و گفتار برائے کار آئے ہوں تو اس قوم کے مٹ جانے کا کوئی

روحی تہذیبوں اور تمدنوں کے سمندر میں بھونچال ال
دیتے۔ لیکن یہ انکی طوفانی ترقی تعمیرات، مجسموں، یادگاروں
تصویروں اور موتیوں کی رہن منت نہیں۔ کہ ان رحیات
کو تو اسے خود ہی بڑے اکھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ بلکہ یہ سب
کچھ ان کے اس فطرت نواز لٹریچر کا ثمرہ تھا۔ جس نے انکے دل
دوران کی تعمیر کی انکے فطرت و فکر کو وسیع اور عالمگیر بنایا۔ انکے
قواعد علم و عمل کو بیدار کر کے انہیں عمل کا ایک لامحدود
میدان بخشا۔ اور ایک نصب العین پیش کر کے ان کی
ہمہ گیر تنظیم کر دی۔ اس لٹریچر کا نام ”القرآن الحکیم“ ہے
اس لئے قرآن میں قرآن کو ”روح حیات“ کہا گیا ہے۔
وَلَكِنَّ الْاَوَّلٰی اَوَّلٰی سِرِّ وَحَامِنِ اَمْرِنَا۔ اور
اس لئے حدیث نبوی میں قرآن کو اقوام کی ترقی و تنزل
کا واحد معیار بتلایا گیا ہے۔ میرفع بھلنا الکتاب
و یضح بها اخرین۔

قرآن اولی کے جلیل القدر مسلمانوں کے پاس

لٹریچر کے سلسلہ میں ”قرآن عظیم“ کے سوا دوسری
کتاب نہ تھی۔ اگر تھی تو اسکی اولین شرح و تفسیر تھی
جس کو حدیث کہا جاتا ہے۔ اور اگر اس کے بعد کچھ او
تھا تو وہ انی دونوں مصدر شریعت سے نکلا ہوا مسائل
کا ذخیرہ تھا۔ جس کو فقہ کہا جاتا ہے۔ لیکن ان سب
کی اصل اصول ہی کتاب مبین تھی۔ جس کے عالمگیر
امول نے اس قوم کے اخلاق، اعتقاد، اعمال اور
افکار و جذبات میں بھی عالمگیری پیدا کی۔ یہاں تک
کہ اسی قوم اور اس کے لٹریچر کی بدولت پوری دنیا
میں شعوری اور غیر شعوری طور پر عالمی مقاصد کا تخیل
پھیل گیا۔ اس لئے قرآن حکیم میں اس قرآن کو پوری دنیا
اور اس کے سارے جہانوں کے لئے پیغام ہدایت و معظمت

بتلایا گیا ہے۔ اِنَّ هُوَ الْاَوَّلٰی الْاٰخِرٰی الْاَوَّلٰی الْاٰخِرٰی۔ جس سے
واضح ہے کہ اس کے فطری اور کلی اصول نہ صرف مسلمانوں
بلکہ ساری دنیا والوں کے لئے اصولی ترقی ہیں۔ دارین
کے لئے اختیار کئے جائیں تو دارین کی نجات و فلاح ہے۔
اور صرف دار دنیا کے لئے استعمال کئے جائیں تو دنیا کی
بہبود و ترقی ہے۔ غلط فہمی یا لاعلمی سے یہ سمجھ لیا گیا ہے
کہ اس قرآنی لٹریچر کے مسائل حیات اور شئون زندگی
کسی نگلے یا پچھلے دور کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور کم از
کم آج کے ترقی یافتہ دور میں اس کے لئے کوئی گنجائش
نہیں۔ اور اس لئے کہا جاتا ہے کہ مذہب کو سیاسی اور
معاشرتی میدان سے رخصت دیدی جاے۔ اور اس کی جگہ
مناسب وقت لادینی تصور اور فکر پیدا کیا جائے۔ کہ اسے
بغیر عالمی نظم اور عالمی سیاست و ادارت قائم نہیں
ہو سکتی۔ اور اس دور میں عالمی حکومت قائم ہونا قومی
خود کشی کے مرادف ہے۔ لیکن یہ عجیب تم ظریفی ہے
کہ عالمی زندگی، عالمی سیاست اور بین الاقوامی ادارت
و نظم کے نام پر جب اس کے اجزاء ترکیبی یا اسباب موانع
کو گنا یا جاتا ہے تو وہ سب کے سب وہی ہوتے ہیں جنکی
طرف سب سے پہلے اسلام نے توجہ دلائی۔ اور اس نے اس
نقشہ پر عالمی نظام کا اعلان کیا۔ مثلاً موانع کے سلسلے
میں کہا جاتا ہے کہ جب نسلی امتیازات، اقتصادی
او سنج بیچ، سیاسی برتری اور کمتری، آقائی اور غلامی
کا فرق، قومیتوں اور وطنیتوں کی تعصب آمیز جد بندی،
قومی طبقات کا عدم توازن، رابطہ عوام کی درمیانی رکاوٹیں
ختم نہ کر دی جائیں گی۔ عالمی نظام قائم نہیں ہو سکتا۔

سوال ہے کہ ان موانع کو آپ کے سامنے پیش کس
نے کیا؟ اگر اسلام نے اور بلاشبہ اس نے اور صرف اس نے

شئون حیات کے بغیر زندگی نہیں بنتی۔ گو یا کسی قوم کو بھی اس بارہ میں مسلم بنے چارہ نہیں ہوتا۔ گو یا وہ بلا اعلان اور بلا عنوان کے ہی مسلم بنے تو خود مسلم قوم کی زندگی اس دستور حیات کے بغیر کیسے بن سکتی ہو۔ اور کس طرح زندگی کھلائی جاسکے گی۔

مسلم قوم صی یا دگادوں زندہ نہیں رہ سکتی۔ بلکہ اپنی اپنی لٹریچر یا دگادوں اور شئون معنوی سے برقرار رہ سکتی ہو۔ یہی زندگی تلخ محل آگہ، لالی قلعہ دہلی، قلعہ معلی لاہور، قطب کی لاش، چارمینار دکن، الحمراء اندلس، قصر عابدین مصر، سعودی

محلی جدہ، یا افغانستان و ایران اور روم و شام کی عالیشان عمارتوں یا تصویروں نہیں۔ کہ یہ بننے اور بڑھنے والی چیزیں ہیں۔ ان پر نہ اس قوم کی ماضی کی تعمیر ہوئی نہ مستقبل کی ہو سکتی ہو۔ بلکہ یہ قوم اپنے اس آسمانی لٹریچر، اپنی قومی روایات، اپنے اخلاق، معاہدات اور اپنی ہی دعاہتی شئون حیات سے بنی ہے اور اپنی رہنمائی رہیگی۔ اس قوم کا کام نہ تعالیٰ سے چل سکتا ہو نہ مروجہ بیت بلکہ دلیہ ہی کیساتھ اپنی ہی بنیادوں پر اپنی تعمیر کرنے سے چل سکتا ہے۔ دوسروں کی بنیادوں پر اپنی تعمیر اٹھانے سے تعمیر اپنی نہیں کھلائی جاسکتی۔ بنیاد والوں کو ہر وقت حق ہے کہ وہ طبع اٹھا لینے کا مطالبہ کریں۔ اس دستور میں دست نگر قوم کی نہ بنیاد باقی رہتی ہے نہ عمارت۔

کسی قوم کی تنظیم اعداؤں یا تنظیم کی تناسوں کے اظہار سے نہیں ہوتی۔ بلکہ فکر و خیال کی ہم آہنگی اور یکسانی سے ہو سکتی ہے۔ اسلئے ایک صحیح اور فطری نصب العین عملی طور پر لیکر کھڑے ہو جانے ہی سے قوم منظم ہو سکتی ہے۔ اور اس کے لئے قرآن کی بتائی ہوئی عالمگیر بنیادوں سے بڑھکر کوئی نصب العین نہیں ہو سکتا۔

اُس کا عالمی نعرہ لا الہ الا اللہ ہے۔ جو تمام انبیاء کا دین ہے۔ جسے خود مسافقہ اور محدود رنگ برنگ کے فرضی خداؤں، وطن، قوم، نسل و رنگ، مورت اور مجسمہ وغیرہ کی نفی

تو پھر یہ کہنا کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں اس کا پیش کردہ فکر کارآمد نہیں۔ کیا خود اپنے ہی منہ پر طمانچہ مارنا نہیں ہو؟ یا اس طرح جب عالمی نظام کے اسباب معدلت گنائے ہوئے کہا جاتا ہے کہ اخوة عامہ، ہمہ گیر مساوات، نسلی اور پودی دنیا کا ایک عالمی کرپڈ اور مسلک سامنے نہ لایا جائے گا۔ اس وقت تک معاش کا عمومی توازن، بین الاقوامی شمولی، قوانین بین الاقوامی، عالمی حکومت قائم نہیں ہو سکتی۔

سوال یہ کہ ان اجزاء کا شعور آپ میں کہاں آیا؟ اگر اسلامی لٹریچر سوزا ہو اور بلاشبہ صراحتی سوزا ہو کیونکہ اس سے پہلے بین الاقوامیت کا فروغ لگا کر کسی ملت بھی کوئی مکمل بین الاقوامی پروگرام پیش نہیں کیا جیسے تمام شعبہ ہائے زندگی کی دعاہت ہو۔ تو پھر یہ کہنا کہ یہ لٹریچر آج کے دور میں کافی نہیں۔ خود اپنے ہی کو جھٹلانا نہیں تو اور کیا ہو؟ اور اس کا اسکے سوا اور کیا چل سکتا ہے کہ دنیا اس قانون کے عالمگیر اجزاء کو تو مانتا چاہتی ہے۔ مگر اس کی طرف منسوب کرنا نہیں چاہتی۔ گویا مانگ کر لینا نہیں چاہتی ہو، چرکہ اڑانا چاہتی ہو۔ یا بالفاظ دیگر خدائی قانون اور مذہب کا نام رکھ کر تسلیم کرنا نہیں چاہتی۔ بلکہ اپنا مفروضہ مکر قبول کرنا چاہتی ہے۔ یہ انداز تسلیم اچھا ہو یا برا۔ مگر اس سے یہ بات مداف ہو جاتی ہو کہ آج کی دنیا زندگی کی جدوجہد اور شئون حیات میں ان اسلامی اصول سے کس طرح بھی مستغنی نہیں ہو۔ اور وہ طوعاً یا کرہاً ان کی طرف جھکنے کے سوا چارہ کار نہیں دیکھتی۔

غور کیا جائے آج جبکہ سنجیدہ اور فکر مند غیر مسلم بھی اسلام کے معاشی اور سیاسی نظام کو ملے کسی خاص دور یا خاص فرقہ کیلئے مخصوص نہیں سمجھتے۔ تو مسلم کیلئے اس کی گنجائش نکال سکتی ہے کہ وہ اسے کسی دور کیساتھ مخصوص سمجھنے کی برأت کرے۔ نیز جبکہ عامۃً اقوام دنیا کی بین الاقوامی زندگی ہی ان

ہو جاتی ہے۔ اور حقیقی توحید سامنے آجاتی ہے۔ جبرِ اقوام عالم جمع ہو سکتے ہیں۔ تعالٰیٰ کلمۃ سواہِ بیننا و بینکم۔ اس کی عالمی سیاست کا اساسی مقام خلافت ہے۔ جسے ملوکیت، شہنشاہی اور سیاسی آفاقی و غلامی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور صحیح قسم کی جمہوریت اور اپنے ہمہ گیر اصول کے لحاظ سے پوری دنیا کی بین الاقوامیت قائم ہو جاتی ہے۔ جس سے ٹکڑے ٹکڑے شدہ ملکیتیں ایک کنٹرول میں آ سکتی ہیں۔ اس کا عالمی قانون ضابطہ فطرت "کلام الہی" ہے۔ جس سے قانون سادیوں کی تشویشات اور اس کے واسطے سوائی قومی خود غرضیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور باہمی آویزشوں سے تنگ آئی ہوئی پارٹیاں ایک نقطہ پر جمع ہو سکتی ہیں۔ اس کی عالمی اجتماعیت کا مظاہرہ بیت اللہ کے ارد گرد جمع ہو کر اپنی حقیقت و محبت کا ثبوت دیتا ہے۔ جس میں بین الاقوامی انتشار اور انفرادیتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر ہر افراد عالم ایک مرکز پر جمع ہو سکتے ہیں۔ اس کا عالمی مرکز کعبہ محترمہ ہے۔ جو کہ ناف عالم اور مرکز حیات و ہدایت ہے۔ جس سے متفقہ و رخ باشندوں کی تضاد حسنی ختم ہو کر رخ کی وحدت اور ہمہ گیری پیدا ہو جاتی ہے اس کی عالمی عبادت نماز ہے۔ جس میں نہ گھی تیل کی ضرورت ہے۔ نہ کسی اسم و صورت کے مواجمہ کی۔ اور نہ کسی خاص عمارت کی۔ خدا کی سادی زمین اس کے لئے مسجد ہے اور زمین کی جنس کا ہر حصہ اس کے لئے پاک و طہور ہے۔ بھرد بڑا اور فضا و ہوا میں ہر جگہ وہ کہ یہ عبادت ادا کیجا سکتی ہے اور جس کی جماعتی منظم صورت سے تحت فکر اور شرک نے المقصود کا خاتمہ ہو کر دنیا کے تمام منطقوں کے افراد ایک رخ پر ہو سکتے ہیں۔ اس کی عالمی معاشرت کی روح اخوت و مساوات

جس سے بناوٹی امتیازات کا خاتمہ ہو کر ایک عالمگیر برادری، بھائی چارہ کی زندگی کا..... پڑھتا ہے۔ اور اخلاقی بین الاقوامیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی عالمی اخلاقیات کا جو ہر احترام انسانیت ہے۔ جس سے بھیت، چھات اور دولت کی پرگندگیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور بلند و پست، فرق مراتب کے ساتھ ایک سطح پر آ جاتے ہیں۔ ہر حال اصول مذکورہ سر دیانت، سیاست، معاشرہ اور اخلاقیات وغیرہ سے تمام ایسی مہندیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے جن کے سہتے ہوئے عالمی نظام قائم نہیں ہو سکتا تھا۔ اور ایسے ہمہ گیر حسنی اور محسوسی نقطے فراہم ہو جاتے ہیں جنہر مذہبی اور غیر مذہبی قوتیں جمع ہو کر ایک قوم بن سکتی ہے۔ پس اگر بین الاقوامیت پسندوں کو مذہب سے اس لئے گریز ہے کہ عام مذہب کی حد بندیوں تمدن و مذہب کی ہمہ گیری میں حارج ہیں۔ تو ان عالمگیر حدود مذہب کے بعد جو اسلام نے پیش کی ہیں یہ عند باقی نہیں رہتا۔ اگر خدا سے بغاوت اور کذابہ کشتی مقصود ہے تو اس غدر لنگ کا پردہ محض دھوکہ دہی ہو کر رہ جاتی ہے۔ البتہ سنجیدہ دنیا کے نزدیک کبھی با وقفت اور درخور اعتنا نہیں ہو سکتا۔ تاہم آج جبکہ دنیا کی اکثریت طوٹا یا کر ہا خود ہی ان اصول کی طرف آ رہی ہے۔ خواہ مذہب پسندی کے رنگ اور اعتقاد و عقیدت کے انداز سے نہ سہی، سیاست اور تمدنی انداز ہی سہی تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ متعصب اقوام کی خاطر انہیں دنیا کے سامنے پیش کرنے سے شرمایا جا۔ یا اگر دنیا لادینی فکر سے بین الاقوامیت کی طرف بڑھ رہی ہے، تو انہی اصول کی مدد سے، تو کوئی وجہ نہیں ہو کہ دینی فکر سے اسے بین الاقوامیت کی دعوت دینے میں جھجک محسوس کی جائے جو ان اصول کا اصل منشا اور مقصود ہے۔ بلکہ عام انسانیت کی ہی خواہی

اور ہمدردی کا تقاضہ ہو کہ دنیا کی بین الاقوامیت میں لادینی تصور کو خارج کر نیکی پوری سعی کی جائے۔ کیونکہ اس لادینی تصور کی بین الاقوامیت قطع نظر اس کے کہ لادینی جمہوریت اسلام کے اور مذہب کے ہشتا کے سراسر خلاف ہے۔ تجربہ کے لحاظ سے ہی دنیا کیلئے مذہب اور مخرّب ثابت ہو رہی ہے۔

چنانچہ جب لادینی تصور کی بین الاقوامیت نمودار ہوئی ہے، جب ہی سو دنیا کی بین الاقوامی تخریب و ہلاکت بھی روز بروز قریب ہوتی جا رہی ہے۔ عالم سے عالمی امن و کون حصّہ ہو چکا ہے۔ دلوں کا چین مٹ چکا ہے۔ اور اعتماد باہمی فنا ہو گیا ہے جو مذہبیت صحیحہ کی روح ہے۔ بین الاقوامی تحریک لادینی کے دخل سے بین الاقوامی فساد بکڑ رہا ہے جس سے کسی قوم میں سکھ اور چین باقی نہیں رہا۔ دراصل ایک بین الاقوامی کی ضرورت پوری دنیا سے فساد مٹانے کیلئے تھی۔ نہ کہ شر و فساد پھیلانے کیلئے۔ اسلئے صالح بین الاقوامیت بنانے کا ذریعہ دین کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس غیر لادینی نظام ملت کے ہوتے ہوئے حقوق شہریت کے تحفظ اور مظلوموں کی بے لاک حمایت کسی مشترکہ پلیٹ فام کی نفی معصود نہیں۔ اور نہ یہ دینی تنظیم کے منافی ہے۔ بلکہ ایسی مخلوط تمدنی تنظیموں کے لئے یہ دینی تنظیم کی منافی ہونے کے معین ثابت ہوگی۔ کیونکہ عینک یا نت و استبازہ کیسا تھ قلوب میں خلاص اور مظلوموں کی حقیقی ہمدردی ہوگی، مشترکہ جماعتیں غرضی سو کام نہیں کر سکتیں اور یہ ہمدردی بغیر خدا پرستی اور نظام دین کے تکمیل کے ناممکن ہے۔ اسلئے یہ شہری یا مخلوط تنظیم جس کا حال شہر شہریت و تمدن کے حقوق کی نگہداشت اور مشترکہ آواز سے ان کے مطالبہ میں قوت پیدا کرنا ہے۔ اس دینی تنظیم ہی سچائی کی روح حاصل کر سکتی ہے۔

بہر حال ملت کے سامنے دینی معیار سے نظم ملت کا پروگرام پیش کیا جانا اور اسے لیکر عمل چلانا انہیں ضروری ہے جس کی غرض غایت اسلام کے بین الاقوامی پروگرام پر خود قائم ہو کہ دینی سچائی اور غلوں سے دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔ اسلام نے اپنی تنظیم

عصبیت پر نہیں کی۔ بلکہ فطرت پر کی ہے۔ اسلئے قدرتا نہ تو اس میں تنگی ہے نہ تعصب۔ اور ظاہر ہے کہ عالمگیر پروگرام پیش کرنا والا مذہب الودہ تنگی و تعصب ہو بھی نہیں سکتا۔ اسلئے اقوام کی طرف جسدہ اس سالمیت و رواداری کا ہاتھ بڑھایا جاتا یا اس کا عشر عشر بھی کسی قوت نے نہیں بڑھایا۔ بلکہ وہ قوتیں جن کا سراپہ ہی محدود نظریات اور تنگ دید بندیاں ہوں۔ عمومی رواداری اور بین الاقوامی سالمیت کا ثبوت دے بھی نہیں سکتیں۔

اندیشہ مشورہ آج کے دور میں اسلام کو دوسرے مذہب پر قیاس کے یہ کہ دنیا کے مذہب ایک شخصی و انفرادی تعلق ہے جو بندہ اور خدا کے درمیان قائم ہوتا ہے۔ اسے سیاست و معاشرت کے کوئی واسطہ نہیں۔ بلاشبہ اسلام کی بنیادوں کی نگہبیا کر دینا ہے۔ مذہب سیاست کی یہ تفریق ان مذہب پر اسات آسکتی ہے جو حقیقتاً اجتماعیت کے خالی رکھ کر اعتقاد و عبادت تک محدود ہیں۔ لیکن جو مذہب معاشرت و سیاست کے لیکر عبادت تک اجتماعیت گیری کا رنگ لئے ہوئے ہے۔ اور جس نے دنیا کی سیاست عالمگیری کا رنگ بھرا ہو اسے افرادیت کے مذہبوں پر قیاس کے محض عبادت کی حدود سمجھ لینا اور اسے شہر بندہ اور خدا کا درمیانی رشتہ مکر پکارنا اسلام سے ناواقفیت یا محض مصلحت اندیشی کی علامت ہے۔ جیسا کہ اس کے برعکس اسلام کو لادینی اجتماعیتوں پر قیاس کر کے اسے محض ایک بین الاقوامی تحریک سمجھ لینا جس میں بندہ اور خدا کا کوئی درمیانی رشتہ ملحوظ نہ ہو افراط و تفریط اور اس کی تعلیماتے بخبری کا نتیجہ ہے۔

بہر حال جمہادی اجتماعیت و تنظیم بین الاقوامی بھی ہے۔ اور اس کے تحت بین الوطنی بھی ہے۔ لیکن ان سب کی روح وہی اخلاقیات و روحانیت ہے۔ جو اللہ کے قانون میں مذکور ہوتی ہے۔ اسلئے بقا و ترقی اور تعمیر و تنظیم کی سب سے پہلی اور سب سے آخری منزل مسلمانوں کے لئے قرآن کی تعلیم کو رائج کرنا اور اس کی طرف دنیا کو دعوت دینا ہے۔ امام مالک نے اس بار میں اصل حقیقت سے پردہ اٹھا دیا ہے۔ فرمایا ہے: بہ

لا یصلح الآخر
هذه الامّة
الایما صلح بـ
اولہا۔

اس امت کے آخر طبقہ کی اصلاح بھی
اسی چیز ہو سکتی ہو جس امت کے
اول طبقہ کی اصلاح ہوئی داودؑ
بلا مشبہ قرآن ہے۔

پس اگر اس دورِ دینیت میں قوم کو اپنے حالِ مستقبل
کی طرف سے مطمئن ہونا ہو تو رسوم سے بالاتر ہو کر وہ اس لٹریچر کو منبعا
جس نے ابتداء سے جنم دیا تھا۔ اور جو باقی میں اس کی تشکیل اور تنظیم کا
بے غلط معیار ثابت ہو چکا ہے۔ یعنی القرآن العظیم۔ وہی آج
بھی اس کی بقا و ترقی اور وحدت و تنظیم کا ضامن ہو سکتا ہے۔ اور
آج کی پارٹیوں کی تحریزی مساعی کے جھوم میں بھی اگر اس کی روشنی
ہم کو اندر اور باہر ہو تو اسلامی تہذیب و تمدن کا بال بھی ہیکا
نہیں ہو سکتا۔ وبالله التوفیق *

بقیہ ص ۱۔ تربیت ہوتی ہو۔ اگر ہماری صحافت
کی حالتِ نازق ہے تو اس کے اندازہ ہو سکتا ہو کہ ان اخباروں کو
پڑھ کر ہماری قوم کا کیا ذہن بنے گا۔ اور اس کی کیا تربیت ہو سکے گی
لہذا کسی کا یہ کہنا بالکل کہنا صحیح ہے۔ کہ ان گمراہ کریو اے
اخبارات کے مطالعہ سے تو یہ تو زیادہ بہتر ہے کہ آدمی بالکل
ناواقف ہے۔ کم از کم گمراہ اور غلط روی ہو تو محفوظ ہے گا۔
اگرچہ اسکو بعض معلومات کے حامل نہ ہو نیک نقصان بھی ہو +

پرویزی فتنہ
فتنہ اخبارِ حدیث اس دور کے فتنوں
میں ایک بہت بڑا فتنہ اور دینِ اسلام
کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے والا کثیر اثر اور بیخ و بن سر اکھاڑنیوالا
تیشہ ہے۔ پاکستان میں ایک طرف تو برق صاحب اپنی برق
انٹائی سے فومن اسلام پر بجلیاں گرا رہا ہے۔ اور دوسری
طرف پر وزیر صاحب اسلام کے نام سے اپنی خواہشاتِ نفس
کو طلوع گرا رہا ہے۔ بہت سے لوگ جو دین کے بنیادی اصول و
دفعو اہل سونا و نقصان جوتے ہیں اور انکو دینی مسائل کا کوئی

صحیح شعور نہیں ہوتا۔ غلط فہمیوں کا شکار اور پروپیگنڈہ
پر دازانہ باتوں سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ خاص کر دفتروں کے ملازم اور کالجوں
کے طلبہ اور پروفیسر اور دوسرے تعلیمی اداروں کے وابستہ لوگ زیادہ
اس کی تحریات سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور حدیث رسول اللہ کے بارے میں
وہ غلط نظریہ قائم کرتے ہیں جو یہ منکرینِ حدیث پیدا کرنا چاہتے
ہیں۔ انکارِ حدیث جو دراصل انکارِ دینِ اسلام ہوا ان لوگوں میں
اسلئے پیدا ہو گیا ہو کہ ناقص معلوم کیا کہ انکو حدیث کی صحیح
شرعی حیثیت، اس کا رتبہ، اس کی تدوین و تربیت کی صحیح
تاریخ اور امت کے ہاں بالاجماع اس کا دلیل شرعی ہونا معلوم نہیں
ہوتا۔ اگر وہ صحیح بات کو سمجھتے ہو تو ہوں تو پھر یہ فتنہ پر دازی اپنا
کوئی اثر نہیں ڈال سکتی۔ اسلئے حامیانِ دین متین کا یہ فرض ہے
کہ وہ موجودہ حالات میں اس فتنہ کے استیصال کیلئے پوری کوشش
کریں اور خاص طور سے اس حلقہ تک صحیح معلوم اپنی انکی کوشش
کریں۔ جو ناواقف کیونکہ ان فتنہ پر دازوں کا شکار ہو جایا کرتے ہیں۔
ارادہ ہو کہ آئندہ ماہِ شمسِ اسلام میں بھی ہم اس قسم کے مضامین
کا سلسلہ شروع کریں گے۔ قارئینِ کرام یہ کوشش کریں کہ ایسے لوگوں
تک ایسے پہنچایا جائے +

سرخ نشان

دائرہ میں سرخ نشان سالانہ چند فتنہ ہونی کی علامت ہے۔
آئندہ ماہ کا رسالہ بذریعہ وی بی آر حال ہو گا۔ جس کے زائد
اخراجات بچنے کے لئے بہتر صورت میں ہے کہ آپ اپنا چندہ بذریعہ
منی آرڈر بھیج دیں۔ خریداری منظور ہو تو مطلع دین خدا دے، پی دے
فرما کر ایک اسلامی ادارے کو ناقص نقصان نہ پہنچائیں۔ خط و کتابت
کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں +

(غلام حسین منیر)